بچوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان
ماہنامہ
مسلمان بچے
لاہور
پاکستان
181
www.musalmanbachay.com
ربیع الاول ۱۴۴۴/ اکتوبر 2022
موبائل خوش ہوں گے
ایک سبق آموز کہانی
میں شرمندہ ہوں
5 خفیہ دشمن.... ایک اچھوتی تحریر
لاغر سواری.... ایک دلچسپ تحریر
اس کے علاوہ ڈھیروں مزیدار کہانیاں
جواب
ظالم کے ظلم کا انوکھا جواب

ختم نبوت ﷺ زندہ باد　　　　عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی وذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد　　　　پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت
ماہنامہ
مسلمان بچے
لاہور
بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے
شمارہ 3
ربیع الاول ۱۴۴۴ھ بمطابق اکتوبر 2022ء
جلد 16
بچوں کے
اسلامی......
اخلاقی......
تعلیمی......
اور
تربیتی ادب کا
ترجمان
قیمت فی شمارہ
60 روپے
سالانہ زرتعاون
/720= روپے
اپنی کہانیاں اور مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں
پوسٹ بکس نمبر 15 جی پی او بہاولپور
ترسیل رقم اور حصول رسالہ کیلئے
مکتبہ ابن مبارک
37-حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
موبائل 0322-5140485
پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں

اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

فرمان رسول اکرم ﷺ

اور جان لوکہ جو کچھ تمہیں بطور غنیمت ملے خواہ کوئی چیز ہو تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالی اور اس کے رسول کا ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اگر تمہیں اللہ تعالی پر یقین ہے اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن اتری جس دن دونوں جماعتیں ملیں اور اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے ۔[سورۃ انفال ،آیت نمبر ۴۱]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خود بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے تھے اور خود اپنا دست مبارک اپنے جسم پر پھیرتے پھر جب آپ ﷺ کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ ﷺ نے رحلت فرمائی تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ ﷺ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ ﷺ دم کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کا دست مبارک آپ کے جسم پر پھیرتی ۔[بخاری ومسلم]

حمد باری تعالیٰ

تیری ذات پاک ہے اے خدا — تیری شان جل جلالہ
نہیں کوئی تجھ سا بھی دوسرا — تیری شان جلّ جلالہٗ
تو خدا غریب و امیر کا — تو سہارا شاہ و فقیر کا
تو ہے ساری دنیا کا آسرا — تیری شان جلّ جلالہٗ
جسے چاہے تو وہ ذلیل ہو — کرے کون تجھ سے مقابلہ
تیری شان جلّ جلالہٗ — کرے کون ظاہر خوبیاں
تو سبھوں کی بھرتا ہے جھولیاں — ہے مجھے بھی تیرا ہی آسرا
تیری شان جلّ جلالہٗ — تیرے ہاتھ میں ہے فنا بقا
جسے چاہے مردہ اُٹھائے تو — تیری شان جلّ جلالہٗ

نعت رسول مقبول ﷺ

انتخاب ،رابعہ نورین

شہ دیں اگر نہ ہوتے تو نہ آسمان ہوتا — نہ کہیں زمین ہوتی نہ کہیں مکاں ہوتا
یہ جن و بشر ملائک، یہ فلک ، قمر ، ستارے — یہ چمن، یہ پھول، خوشبو، کا نہ کچھ نشان ہوتا
نہ وصال کی تمنا ، لئے دل میں کوئی پھرتا — نہ کسی کے دل کا کوئی کبھی ترجمان ہوتا
کوئی اوج پر مکیں ہے کوئی بوریا نشیں ہے — یہ ترقی و تنزلی کا نہ کچھ گمان ہوتا
میرے بس میں یہ نہیں ہے ،کہ مدینہ جاؤں ورنہ — درِ پاک پر پہنچ کر کبھی مہماں ہوتا
نہ وفا کا ذکر ہوتا، نہ جفا کی بات ہوتی — نہ کوئی خوشی غمی کے کبھی درمیان ہوتا
نہ کبھی کسی کے دل میں کوئی خواہش اُبھرتیں — نہ کسی کی زندگی میں کبھی امتحان ہوتا
میرے مصطفیٰ کا دل سے، جو وفا شعار ہوتا — تو خدا بھی تجھ پہ نادم بڑامہربان ہوتا

ایک دعاء یاد کیجئے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللهَ

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

ایک حدیث یاد کیجئے

اَللّٰھُمَّ بِکَ اَصْبَحْنَا وَبِکَ اَمْسَیْنَا وَبِکَ

نَحْیَا وَبِکَ نَمُوْتُ وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ

ترجمہ: اے اللہ تیرے حکم سے ہم نے شام کی اور تیرے حکم سے ہم نے صبح کی اور تیرے حکم سے ہم جیتے اور تیرے حکم سے ہم مرتے ہیں اور تیری ہی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

روضہ انور کی زیارت

ام حسن، اسلام آباد

مدینہ میں بھی دیکھوں گی، مدینے میں بھی جاؤ گی
در اقدس پہ جاکر، اپنے آقا کو مناؤں گی
سرور و شوق کیسا موجزن ہوگا میرے دل میں
مدینے پاک میں اپنا میں جب بستر لگاؤں گی
کریں گے رشک پھر میرے مقدر پر سبھی عاشق
زیارت کے لیے جب روضہ انور پہ جاؤں گی
ارے خاک شفا کو اپنی آنکھوں میں لگاؤں گی
کبھی روضے کی جالی کو میں سینے سے لگاؤں گی
مقدر جگمگائے گا میرا اوج ثریا پر
میں جب آقا کی مسجد میں زمیں پر بیٹھ جاؤں گی
پڑوسِ مصطفی، جنت البقیع میں دفن کردینا
وہیں پہ میں رہوں گی، مر کے بھی واپس نہ آؤں گی
ملے گی حاضری قسمت سے جب روضے کی اے راؤ
میں اس دنیا و مافیہا کو یکسر بھول جاؤں گی

اَلسَّلَامُ عَلَیکُم

اللہ کریم سے عافیت ورحمت کا سوال ہے۔

کیسے دردناک مناظر ہمارے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

پانی میں ڈوبے ہوئے شہر قصبے اور بستیاں، تباہ حال مکان، اجڑ چکے کھیت اور کھلیان، کسمپرسیکے عالم میں آسمان کی طرف دیکھتے انسان اور جانور، حدنظر پھیلا ہوا پانی، بھوک، بیماری اور اموات ......اف ان لوگوں کی تکالیف کا ہم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے جنہیں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے پیارے اس آفت میں ڈوبتے دیکھے اور اپنی متاع کالٹتے ہوئے مشاہدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ ان کے حال پر رحم فرمائے اور انہیں دنیا میں اس کا بہترین بدلہ اور آخرت میں شایانِ شان بدلہ عطاء فرمائے۔ آمین۔

اور جو لوگ اس آزمائش سے بچ رہے ان کے لئے بھی یہ ایک کڑے امتحان کا وقت ہے۔

ہم ان آزمائشوں میں گھرے آفت زدہ مسلمان بھائیوں سے متعلق اپنی ایمانی ذمہ داری کس طرح نبھاتے ہیں۔

ہم ملت اور امت ہونے کا فرض کیسے ادا کرتے ہیں۔

ہم اپنی بساط کے مطابق ان کی راحت رسانی اور غم گساری کے لئے کیا کیا کر سکتے ہیں۔

اپنے مال اپنے آرام اور اپنے وقت میں کتنا ان کی خاطر قربان کرتے ہیں۔

اپنے دلوں میں ان کے لئے کس قدر فکر مند ہوتے ہیں اور ان کے لئے کتنی دعائیں کرتے ہیں۔

ان کا غم اور تکلیف پر کس قدر بے چین ہوتے ہیں۔

یہ سب ہمارے ایمان کا تقاضا ہے اور ہمارا دینی و ملی فریضہ۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا!

"ایمان والے سب کے سب ایک جسم کی مانند ہیں جس کا کوئی ایک عضو بھی اگر تکلیف میں ہو تو سارا بدن اس تکلیف کی وجہ سے بے چین اور بے آرام ہوتا ہے" (الحدیث)

اور فرمایا!

مومن کہلانے کے قابل نہیں وہ شخص جس کا پڑوسی بھوکا ہو اور وہ خود پیٹ بھر کے کھاتا پیتا رہے" (الحدیث)

حکومت کچھ کر رہی ہے یا نہیں۔۔عالمی برادری مدد کو آ رہی ہے یا نہیں۔۔

کون لوٹ مار میں مشغول ہے اور کون ناجائز منافع خوری میں۔۔

یہ سب چھوڑ دیئے۔

سوال ہماری گردن پر یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے جو مال اور جو ایسی صلاحیت دی ہے جو ان مصیبت زدگان کے کام آ سکتی ہے ہم نے اسے ان کی خاطر کام میں لایا یا نہیں؟

ہم میں سے ہر شخص خود کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مسئول سمجھ کر اپنی ذمہ داری نبھائے۔دوسروں کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابولسام

میں شرمندہ ہوں

تسلیمہ موسیٰ

عبدالمالک کی کپڑوں کی بہت بڑی دکان تھی۔ اعلیٰ قسم کے کپڑے وہاں دستیاب تھے۔ امیر وکبیر لوگ وہاں کپڑوں کی خریداری کرنے آتے تھے۔ عبدالمالک کی دکان پر صرف مردانہ کپڑے فروخت ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے پیشے میں بہت برکت ڈال دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پانچ وقت کا نمازی تھا اور اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتا تھا۔ صبح سویرے دکان کھولتا ظہر اور عصر کی نماز دکان میں پڑھتا، مغرب کی اذان سے پہلے ہی وہ دکان بند کر کے گھر چلا جاتا۔

سردیاں شروع ہو چکی تھیں، اس علاقہ میں سخت سردی پڑتی تھی مگر پھر بھی عبدالمالک اپنا کاروبار جاری رکھے ہوئے تھا۔

ایک صبح ایک شخص اس کی دکان کے دروازے پر آ کھڑا ہوا اور بھیک مانگنے لگا۔ عبدالمالک نے اس شخص کو دیکھا، وہ تیس بتیس سال کا ہٹا کٹا آدمی تھا۔ ہاتھ پاؤں سلامت تھے پھر بھی بھیک مانگ رہا تھا۔ عبدالمالک نے اس کی طرف

سو کا نوٹ بڑھایا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا کہ سو نہیں ہزار کا نوٹ چاہیے۔ اتنی بڑی دکان ہے، دن میں کئی ہزار کماتے ہو گے۔ عبدالمالک کو اس کی ڈھٹائی پر بڑا غصہ آیا مگر وہ ضبط کر گیا۔ اس نے اللہ کی راہ میں ہزار کا نوٹ اسے تھما دیا۔ ہزار کا نوٹ دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ نوٹ کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو۔ وہ آدمی چلا گیا مگر پھر یہ اس کا معمول بننے لگا ہر روز عبدالمالک کی دکان پر آتا اور ہزار کے نوٹ کا مطالبہ کرتا۔ ایک ہفتہ تک تو سلسلہ چلتا رہا۔

ایک دن عبدالمالک کو ایک آدمی نے بتایا اسے پیسے نہ دو یہ انتہائی برا آدمی ہے۔ ایک دفعہ اس کو دے دیں تو جان نہیں چھوڑتا۔ اس کی ایک بوڑھی ماں ایک بیوی اور چار بچے ہیں۔ یہ کام نہیں کرتا۔ بھیک مانگتا ہے جو بھیک میں پیسے ملتے ہیں وہ رات کو جوئے میں لگاتا ہے۔ اس کی ماں بیوی اور چار بچے اپنا پیٹ پالنے کے لیے بھیک مانگتے ہیں۔ اس کی ماں بہت بیمار ہے ،ایک بچے کو ملیریا بخار ہو گیا ہے، بیوی کو ٹی بی کا مرض لاحق ہے۔ مگر اسے کوئی پرواہ نہیں۔ پہلے اس کی عادات خراب ہیں۔ اسے ہزار کے نوٹ دے کر اس کی عادات مزید مت بگاڑو و گرنہ تم بھی قصوروار ٹھہرائے جاؤ گے۔

عبدالمالک کو یہ سن کر بے حد دکھ پہنچا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ اسے بٹھا کر آرام سے سمجھائے گا۔ کیا خبر اسے احساس ہو جائے۔ آج بھی وہ حسب معمول عبدالمالک کی دکان پر آ گیا اور ہزار کے نوٹ کا مطالبہ کرنے لگا۔ عبدالمالک نے دینے سے انکار کر دیا اور اسے سمجھانے لگا:

دیکھو شریف میاں! بھیک مانگنا اچھی بات نہیں ہے۔ تم ہٹے کٹے چنگے بھلے آدمی ہو۔ تمہارے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں۔ اپنی محنت سے روزی کماؤ اور اپنے بچوں کو حلال کا نوالہ کھلاؤ، یوں ہر روز کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا کر سوال مت کیا کرو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ تمہاری والدہ بیمار ہے، بیوی بیمار ہے۔ بچہ بیمار ہے ان کے بارے میں کچھ سوچو۔ وہ تمہاری ذمہ داریاں ہیں۔

محمد شریف نے کہا: سیٹھ صاحب لگتا ہے کہ آج آپ کی نیت پیسہ دینے کی نہیں ہے۔ آج آپ کی نیت کچھ خراب لگ رہی ہے۔

دیکھو محمد شریف! بات نیت کی نہیں ہے۔ اگر تم مستحق ہوتے تو میں تمہیں ہر روز دیتا۔ تم ہٹے کٹے ہو کما سکتے ہو۔ بھیک مانگنا شریعت کی نظر میں بھی معیوب چیز اور بدترین جرم ہے۔ جو لوگ بھیک کو پیشے کے طور پر اپناتے ہیں ان کے لیے شریعت میں سخت وعید آئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے والا بروز قیامت ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہو گا یعنی نہایت بے آبرو

ہو کر۔ اس لئے تم بھی یہ گداگری چھوڑ دو!
او میاں! میں نے تمہیں نصیحتیں کرنے یا مشورہ دینے کے لیے نہیں کہا ہے۔ دینا ہے تو دو! اپنی یہ نصیحتیں اور مشورے اپنے پاس رکھو!
وہ اچانک بدتمیزی پر اُتر آیا۔
میں تمہیں مزید بگاڑنا نہیں چاہتا، اسی لیے چلے جاؤ یہاں سے۔
اچھا یوں کہو ناں کہ اب دینے کو دل نہیں چاہ رہا...... یہ شریعت کی آڑ کیا لے رہے ہو؟ یوں کہو ناں کہ تھک گئے ہو، نیت میں کھوٹ آ گیا ہے۔
وہ عبدالمالک کو باتیں سنانے لگا۔ وہ بھکاری نہایت ضدی، بدتمیز اور چرب زبان آدمی تھا۔ عبدالمالک خاموش رہا۔ اس نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنالیا تھا۔ اس نے عبدالمالک کی دکان کے دروازے پر اپنی چادر بچھا کر وہیں ڈیرہ جمالیا۔
عبدالمالک نے کہا: یہاں پر کیوں بیٹھ گئے ہو؟
میری مرضی جہاں بیٹھوں، اللہ کی زمین ہے تمہاری نہیں۔
وہ وہیں بیٹھا بھیک مانگ رہا ہوتا۔ اس کی دشمنی دن بدن عبدالمالک کے ساتھ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ کبھی اس کی دکان میں آئے ہوئے گاہکوں کو تنگ کرتا تو کبھی کوئی اور شرارت کرتا۔ اب تو وہ اپنے ساتھ ریڈیو لانے لگا تھا۔ وہ اونچی آواز میں گانے سنتا۔ عبدالمالک اسے گانا سننے پر روکتا مگر اُلٹا وہ اونچی آواز کر کے اسے بھی سنواتا۔ وہ اس گناہ میں اسے بھی شریک کرنا چاہتا تھا۔ مغرب تک وہ کافی بھیک اکٹھی کر چکا ہوتا تھا۔
اس کی روش نہ بدلی تھی، وہی روز کا معمول تھا، پیسہ اکٹھا کر کے وہ جوئے میں لگا دیتا۔ دوسری طرف اس کے گھر والوں کے حالات مزید خراب ہوتے جا رہے تھے۔ کبھی بھیک ملتی کبھی نہیں۔ کبھی کبھار بچے بھوکے سو جاتے۔ مگر محمد شریف کو ذرا برابر بھی افسوس، دکھ یا شرمندگی نہ ہوتی۔ ہر روز سارا پیسہ جو بھیک مانگ کر جمع کرتا وہ جوئے میں ہار آتا۔ مگر پھر بھی باز نہ آتا۔
وہ عبدالمالک کو تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ اب تو اس نے حد ہی کر دی تھی۔ عبدالمالک نماز پڑھنے کھڑا ہو جاتا تو وہ ریڈیو کا والیم بڑھا دیتا۔ اس طرح وہ نماز بھول جاتا، اس کی نماز میں خلل پڑ جاتا۔ دعاء کے لیے ہاتھ اٹھاتا تو اسے دعاء مانگنے نہ دیتا اور خود بھی بلند آواز میں گانے گاتا۔
عبدالمالک اس سے کہتا کہ اس کی نماز اور دعاء خراب ہوتی ہے مگر وہ اُلٹا اور زیادہ شور کرنے لگتا۔ اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا دف لے آیا تھا۔ وہ زور زور سے بجاتا۔
ایک بار عبدالمالک دونوں ہاتھ اُٹھائے دعاء مانگ رہا تھا کہ اس بھکاری نے ریڈیو کی

آواز تیز کر دی۔خود بھی بلند آواز میں گانے لگا اور دف بجانے لگا۔عبدالمالک نے دعاء ادھوری چھوڑ دی اور باہر نکل آیا۔

لوگ عبدالمالک کو کہتے تھے کہ یہ تمہیں تنگ کرتا ہے اسے پولیس کے حوالے کرو...... مگر وہ صاف انکار کر دیتا کہ وہ اس غریب پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ بھکاری اس کے صبر اور درگزر کا ناجائز فائدہ اُٹھا رہا تھا۔

عبدالمالک نے کہا کہ خدا کا کچھ خوف کرو۔ خود تو بے نمازی ہو مگر میری نماز خراب کرتے ہو۔آخر ملتا کیا ہے تمہیں میری نماز خراب کر کے؟ کیا تمہیں...... خدا سے ڈر نہیں لگتا۔ڈرو کچھ اس خدا سے۔نماز میں خلل ڈالنا بڑے گناہ کا کام ہے۔ میری نماز خراب کر کے تم اپنی آخرت خراب کر رہے ہو۔

وہ بہت دلبر داشتہ ہوگیا تھا۔آخر کب تک برداشت کرتا۔اگر بات کسی اور چیز کی ہوتی تو خیر تھی مگر یہاں بات نماز خراب کرنے کی تھی۔وہ کیسے برداشت کرتا اور کب تک کرتا؟ محمد شریف ڈھٹائی سے مسکرا رہا تھا۔

عبدالمالک نے کہا کہ میرا اللہ تمہیں پوچھے گا۔میری نماز خراب کر کے آخر تمہیں ملتا کیا ہے؟ یہ تو شیطان کا کام ہے۔مسلمان کی نماز خراب کر کے اسے سکون ملتا ہے۔کیا تم بھی شیطان کے راستے پر چل پڑے ہو؟ وہ ابھی تک ڈھٹائی سے مسکرا رہا تھا۔عبدالمالک نے اسے خدا کے قہر اور غضب سے خوب ڈرایا مگر اس ڈھیٹ اور بے شرم آدمی کو ذرا برابر بھی فرق نہ پڑا اور نہ ہی اس کی روش بدلی۔

عبدالمالک کو جب اس کے گھر والوں کے حالات کا پتہ چلا کہ وہ انتہائی کسمپرسی کی حالت میں رہ رہے ہیں تو وہ اس سے چھپ کر ان کی مالی مدد کرنے لگا۔اس کی ماں،بیوی اور بچے کا اچھے سے ہسپتال میں علاج کروانے لگا۔جب محمد شریف کو پتہ چلا کہ کوئی امیر آدمی اس کے گھر والوں کی مالی مدد کر رہا ہے تو اس نے اپنی ماں اور بیوی سے کہا کہ کل کو اگر وہ سیٹھ آجائے تو اس کے لیے بھی کچھ لے لیں۔

(بقیہ صفحہ 70 پر)

عبداللہ بدر اور مومنہ چہل قدمی کرتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ بدر کی عمر چار سال اور مومنہ کی عمر چھے سال تھی۔ وہ دونوں بہن بھائی تھے۔

ان کا گھر دیہی علاقے میں واقع تھا۔ یہاں چاروں طرف کھیت ہی کھیت تھے اور کھیتوں کے کنارے درخت ہی درخت تھے۔

اچانک مومنہ رک گئی، اس کی نظریں ایک کھیت کے کنارے لگے درختوں پر جم گئی تھیں۔ وہاں ایک سیدھی قطار میں لگے ہوئے خوب صورت درخت یکے بعد دیگرے گرتے جا رہے تھے۔

''اوہو! یہ کیوں ہو رہا ہے؟''

مومنہ نے افسوس بھرے لہجے میں کہا

''کیا ہو رہا ہے بہنا؟''

بدر نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

''بھائی دیکھو! درختوں کو کاٹا جا رہا ہے اور درخت بے چارے زخمی ہو کر گر رہے ہیں''

مومنہ نے بدر کو سمجھایا۔

''اف! مطلب یہاں درختوں کو مارا جا رہا ہے۔''

بدر نے ڈرتے ہوئے کہا۔

''بالکل ایسے ہی ہے، درخت قتل ہو رہے ہیں یہاں'' اچانک ایک نئی اور قدرے بھاری

اسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایسا پہلو جسے اپنا کر اس دھرتی کو سجایا جا سکتا ہے
ماہ ربیع الاول میں پودے لگا کر ایک سنت کو اپنے عمل سے محفوظ کیجیے

آواز سنائی دی تو وہ دونوں زور سے اچھلے
''کک کون ہیں آپ انکل؟''
مومنہ نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کہا۔
اس وقت ان دونوں کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔ بدر کا تو رنگ بھی اُڑا ہوا تھا۔
''ہی ہی ہی، ڈر گئے بچو؟ میں ادھر ہوں، میری طرف دیکھو!'' وہی آواز پھر سے سنائی دی تھی
بولنے والا ہنس بھی رہا تھا۔ اب جو مؤمنہ نے آواز کی سمت توجہ دی تو اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیلتی چلی گئیں۔ اس کے سامنے مکئی کا ایک پودا کھڑا ہونٹ ہلا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر بدر کی تو چیخ نکل گئی۔ مومنہ نے اسے اپنے ساتھ چپکا کر تسلی دی۔
''تت تم بول سکتے ہو؟'' مومنہ نے بے یقینی کے عالم میں پوچھا
''لو! یہ بھی کوئی بات ہوئی؟ کیا تم نے پودوں کے متعلق نہیں پڑھا؟'' مکئی کے پودے نے منہ بنایا
''بالکل پڑھا ہے۔ تم جاندار اشیاء میں شمار ہوتے ہو'' مومنہ نے سر ہلایا
''تو پھر کیا جاندار اشیاء نہیں بول سکتیں؟'' مکئی کا پودا ہنسا
''بول تو سکتی ہیں مگر؟؟'' مومنہ نے اُلجھن کے عالم میں فقرہ ادھورا چھوڑ دیا
''اچھا مگر اگر چھوڑو! میری بات سنو!'' پودے نے سنجیدگی سے کہا تو مومنہ اور بدر نے چونک کر اسے دیکھا۔
''بولیے انکل!'' بدر نے معصومیت سے کہا۔
''بات یہ ہے کہ کل ہماری میٹنگ ہوئی''
''کیا!!''
مومنہ زور سے چلائی، وہ خود پہ قابو نہ رکھ پائی تھی۔
''کیا ہوا، کیا ہم میٹنگ نہیں کر سکتے؟'' مکئی کے پودے نے برا سا منہ بنایا۔
''اوہ! معاف کیجیے! اب میں چپ رہوں گی، آپ بات کیجیے!'' مومنہ نے معذرت کی۔
''ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ کل ہماری میٹنگ ہوئی، اس میں ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم انسانوں سے بائیکاٹ کر لیں تو اچھا ہے'' مکئی کے پودے نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
''اوہ! وہ کیوں؟''
''وہ کیوں کا جواب تمہارے سامنے ہے'' پودے نے گرتے اور کٹتے درختوں کی طرف اشارہ کیا
''اوہ ہاں!، یہ تو ہمیں بھی برا لگ رہا ہے'' مومنہ نے اس کی تائید کی
''بچو! بات کو سمجھو! ہم کٹنے سے نہیں ڈرتے ، ہم میں سے جو کٹ جاتے ہیں، وہ اپنا مقصد پورا کر جاتے ہیں اور وہ مقصد ہے انسانیت کی خدمت

،ہم اپنے پھلوں، پھولوں، لکڑی، سائے اور اپنے جسم کے دیگر تمام حصوں سے انسانیت کی خدمت کرتے ہیں۔ہم انسانیت کے کام آنے میں بخل سے کام نہیں لیتے لیکن دکھ کی بات اور ہے" پودے نے افسردہ لہجے میں کہا

"اور وہ کیا؟" بدر بول پڑا تھا

"وہ یہ کہ انسان ہمیں کاٹ کر ختم کرتا جارہا ہے اور ہمیں بلاوجہ بھی کاٹا جاتا ہے اور ہماری جگہ نئے پودے نہیں لگائے جارہے۔حالانکہ انسان اپنی خوراک کا بڑا حصہ ہم سے لیتا ہے مگر پھر بھی اسے ہماری فکر نہیں"

مکئی کے پودے نے دکھی لہجے میں کہا

"ہم مکئی تو نہیں کھاتے ہم تو روٹی کھاتے ہیں" بدر نے معصومیت سے کہا تو مکئی کا پودا ہنس پڑا

"ارے ننھے میاں! یہ روٹی کس چیز سے بنتی ہے؟" پودے نے سوال کیا

"آٹے سے" بدر نے جھٹ سے جواب دیا

"اور آٹا کس سے بنتا ہے؟" پودا مسکرایا

"گندم کے دانے۔اوہ مطلب یہ بھی پودے سے حاصل ہوتے ہیں ۔مم میں سمجھ گیا"

بدر یوں چونکا جیسے اسے بات سمجھ آ گئی ہو۔

"بھئی! تم جس خوارک پہ بھی غور کرو!اس کے پیچھے ایک پودے یا درخت کا ہاتھ ہے، کھانے پینے کے علاوہ دیگر کارآمد چیزیں بھی ہم سے بنتی ہیں، آکسیجن بھی ہم فراہم کرتے ہیں، زمین کو ٹھنڈا بھی ہم رکھتے ہیں، زمینی کٹاؤ اور لینڈ سلائیڈنگ سے بھی ہم بچاتے ہیں، ماحول اور فضا کو صاف بھی ہم رکھتے ہیں، اس کے علاوہ قابل غور بات یہ ہے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بھی ہمارا خاص خیال رکھنے کا حکم دیا ہے"

"پیارے نبی؟" پودے کی آخری بات سن کر وہ چونکے، پھر مومنہ بولی:

"جی جی! پیارے نبی حضرت **محمد** ﷺ، آپ ﷺ صرف انسانوں کے نبی تو نہیں ہیں، آپ حیوانات اور نباتات کے بھی نبی ہیں، آپ ﷺ تو تمام مخلوقات کے نبی ہیں" پودے نے کہا

"آپ ﷺ نے آپ کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟" بدر نے پوچھا

آپ ﷺ نے فرمایا: "جو مسلمان دَرخت لگائے یا فصل بوئے، پھر اس میں سے جو پرندہ یا اِنسان یا چوپایا کھائے تو وہ اس کی طرف سے صَدقہ شُمار ہوگا۔" (صحیح بخاری)

اسی طرح آپ ﷺ نے شجر کاری کو اتنی اہمیت دی کہ اس عمل کو قیامت تک جاری رکھنے کا حکم فرمایا۔ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"اگر قیامت کی گھڑی آجائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودا ہے اور وہ اسے لگا سکتا ہے تو لگائے بغیر کھڑا نہ ہو۔" (مسند احمد)

اس کے علاوہ آپ ﷺ پودوں کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ صحابہ کرامؓ کو جہاد کے دوران بھی یہ حکم دیا جاتا کہ درختوں اور پودوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔"

پودے نے اُنہیں احادیث سنائیں۔

"اوہ!، جب جنگ کے دوران بھی پودوں، درختوں کی حفاظت کا حکم ہے تو عام حالات میں تو اس سے بھی زیادہ خیال رکھنا ہوگا ناں" مومنہ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا

"بالکل! لیکن اس میں ہمارا کیا قصور؟" بدر نے سوال اُٹھایا

"بے شک ایسے ہی ہے، تم سے ہمیں صرف ایک شکایت ہے، وہ یہ کہ اکثر بچوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ سبزیاں نہیں کھاتے اور جس دن گھر میں سبزی بنائی جائے ان کے منہ بن جاتے ہیں، حالانکہ وہ سبزیاں نہ کھا کر اپنا ہی نقصان کرتے ہیں اور ڈھیر سارے وٹامنز سے محروم ہو جاتے ہیں"

مکئی کے پودے کی یہ بات سن کر بدر اور مومنہ جھینپ گئے تھے کیونکہ وہ بھی سبزیاں نہیں کھاتے تھے۔

"اچھا! یہ بتائیں کہ اگر آپ ہمارا بائیکاٹ کر لیں تو کیا ہوگا؟" مومنہ نے کچھ سوچ کر دریافت کیا

یہ بات سن کر مکئی کے پودے نے ایک گہری سانس لی، پھر وہ بولا:

"آنکھیں بند کرو! میں تمہیں دکھاتا ہوں"

مومنہ اور بدر نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کیا واقعی آنکھیں بند کریں؟" مومنہ نے پھر سے پوچھا

"ہاں بالکل!" مکئی کا پودا ہنسا۔

پھر مومنہ اور بدر نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر آنکھیں بند کرلیں۔ دوسرے ہی لمحے ان کو ایک جھٹکا سا لگا، اب ان کے سامنے ایک نرالا منظر تھا۔ چاروں طرف سبزہ زار پھیلا ہوا تھا اور فضا خوشبوؤں سے مہکی ہوئی تھی۔ اچانک ہریالی غائب ہونے لگی، درخت دوڑ کر جانے لگے، پھول اور پودے بھی یوں غائب ہو گئے تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ، ایسے میں مومنہ کی نظر بدر کے چہرے پر پڑی تو وہ زور سے چلائی۔

"کیا ہوا؟" بدر نے چونک کر مومنہ کو دیکھا اور پھر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ان دونوں کے چہرے بہت عجیب سے ہو گئے تھے۔

"یہ کیا ہوا ہمیں؟"

مومنہ نے اپنے بے رونق ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ ایسے میں انہیں مکئی کا پودا سامنے کھڑا نظر آیا، وہ بولا:

"پودوں کے بائیکاٹ کے بعد کی ایک جھلک ہے یہ، جب پودے نہیں ہوں گے تو وٹامنز سے بھرپور اناج کہاں سے آئے گا۔ کیا سمجھے؟"

بقیہ صفحہ 21 پر

سیرت النبی ﷺ کے پہلو

ابودجانہ

داداجی جمعہ کی نماز پڑھ کر گھر داخل ہوئے تو دسترخوان لگ چکا تھا رنگ برنگے کھانوں کی خوشبو سے گھر پورا معطر ہو چکا تھا۔

دسترخوان پر بیٹھ کر داداجان نے بچوں کی طرف نظر دوڑائی تو تمام پوتے اور پوتیاں موجود پائے سب نے کھانا شروع کرنے کی دعاء پڑھی اور کھانا شروع کر دیا۔ کھانے کے دوران داداجی بار بار اپنی سب سے چھوٹی پوتی خنساء کو دیکھ رہے تھے۔

جسے اس کا بڑا بھائی ابوبکر تھوڑی دیر بعد اس کے کان میں کچھ کہہ رہا تھا اور وہ ادھر ادھر دیکھتی لیکن چپ ہو جاتی۔ یہ سارا منظر داداجی دیکھ رہے تھے۔ اچانک داداجی نے کہا۔

"بیٹی خنساء! ابو بکر کیا کہہ رہا ہے؟ بتاؤ، شاباش!" یہ سن کر خنساء اپنی توتلی آواز کہنے لگی۔

"داداجی! ابو بتر (ابو بکر) بھائی کہہ رہا ہے کہ داداجی سے پوچھو۔ پرسوں ۱۲ ربیع الاول کی سکول سے چھٹی ہے پچھلی مرتبہ کی طرح کہیں گھومنے چلیں؟"

داداجی نے یہ سنا تو کہنے لگے: "پیارے بچو! اس مرتبہ ۱۲ ربیع الاول کے دن تم سب کا سیرۃ النبی ﷺ کے موضوع پر مقابلہ ہوگا۔ سب نے خوب محنت کر کے سیرۃ النبی ﷺ کے موضوع پر کچھ نہ کچھ مواد اکٹھا کرنا ہے۔ آپ میں سے ہر بچہ کسی نہ کسی پہلو پر بات کرے گا۔ ابھی دو دن باقی ہیں۔ خوب محنت کرلو! سارے بچوں کو انعام بھی ملے گا۔"

یہ سن کر تمام بچے دادا جی کے چہرے کو دیکھتے ہی رہ گئے۔

☆......☆......☆

فجر کے بعد جیسے ہی دادا جی تلاوت قرآن پاک سے فارغ ہوئے تو تمام بچوں کو آواز دینے لگے۔

"آجاؤ! بچو آجاؤ! اپنی اپنی تیاری کے ساتھ، اور مجھے سناؤ!"

دادا جی کی آواز سنتے ہی تمام بچے بھاگ کر دادا جی کے کمرے کے آگے صحن میں جمع ہو گئے۔

سب سے پہلے دادی نے اپنی بڑی اور سارے گھر کی لاڈلی پوتی کو سنانے کی دعوت دی سمیعہ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

"دادا جی! نبی پاک ﷺ نے عورتوں کے حقوق پر بہت زور دیا ہے۔

اسلام سے پہلے جتنے مذہب گزرے ہیں، ان سب میں سے سب سے زیادہ عورت کی عزت کا درس آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے دیا ہے۔ سب سے پہلے ماں کے قدموں میں جنت کو بسانے والے میرے نبی ﷺ ہیں۔ دو یا تین یا اس سے زیادہ یا کم لڑکیوں کی بہترین پرورش کرکے ان کی شادی کرانے والے کو انعام میں حضور ﷺ نے اپنا ساتھ دیا ہے اور مثال دو انگلیوں کو اکٹھا کر کے دی ہے کہ وہ جنت میں میرے ساتھ یوں ہوگا۔

دادا جی! عورت بہن، اور بیوی کے روپ میں بھی ہو تو بھائی، خاوند کے لئے اجر ہی اجر ہے۔ جو مال ان پر خرچ ہوتا ہے وہ صدقہ کرنے میں لکھا جاتا ہے اور اللہ پاک اس بندے کے اکاؤنٹ میں جمع کر لیتے ہیں جو کہ اجر ہی اجر ہے، ثواب ہی ثواب ہے۔"

اب دادا جی نے حفصہ سے کہا، بیٹی اب آپ سناؤ آپ نے کیا تیاری کی ہے؟ حفصہ کہنے لگی:

"دادا جی! نبی پاک ﷺ جانوروں پر رحم کرنے کا حکم دیتے تھے خاص کر وہ جانور جن سے ہم کام لیتے ہیں، ان کا خیال رکھنے پر بہت زور دیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ ایک باغ میں داخل ہوئے تو وہاں پر ایک اونٹ بندھا ہوا تھا جو میرے آقا ﷺ کو دیکھ کر بولنے لگا۔ نبی پاک ﷺ اس کے قریب گئے اور رحمت و شفقت والا ہاتھ پھیرا تو وہ کچھ اور بولنے لگا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اونٹ اپنے مالک کی شکایت کر رہا ہے کہ مجھ سے کام زیادہ لیتا ہے اور چارہ کم ڈالتا ہے۔ اس لئے ہمیں انسانوں کے ساتھ ساتھ جانوروں کا بھی بہت خیال رکھنا چاہئے۔"

حفصہ کے بعد اب ابو بکر جو کہ بہت دیر سے بے چین ہو رہا تھا، اب اس کی باری تھی۔

ابو بکر نے نماز کی اہمیت پر زور دیا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نماز کے متعلق فرماتے ہیں کہ نماز دین کا ستون ہے، نماز مومن کی معراج ہے، قبر میں سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا جس کی نماز درست نکل آئی اس کے باقی اعمال بھی درست ہونگے۔

نماز کا مقام دین میں ایسے ہے جیسے انسان کے جسم میں سر کا مقام ہوتا ہے۔ جس طرح کائنات میں سر کے بغیر انسان چل نہیں سکتا۔ اسی طرح نماز کے بغیر دین بھی نہیں ہے یہی وجہ تھی کہ ہمارے آقامدنی ﷺ زخمی حالت میں بھی دو آدمیوں کے سہارے نماز کے لئے مسجد میں نظر آتے ہیں۔

قرآن پاک میں بھی نماز کی اہمیت کا ذکر جگہ جگہ پر موجود ہے۔ اس وجہ سے ہمیں اصل جو کام ہمارے نبی ﷺ نے کئے وہ کرنے چاہیے۔ امت کو نماز کی طرف لے کر آنا چاہیے۔ بہت دکھ ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ۱۲ ربیع الاول کے دن مسجدوں کو تالے لگا کر بازاروں میں جلوس لے کر جا رہے ہوتے ہیں۔

بازار تو اللہ پاک کو سب سے زیادہ برے لگتے ہیں اور مسجدیں پیاری لگتی ہیں۔ اس لئے پیارے بچو! اب ہم کبھی نماز نہیں چھوڑیں گے۔

ابوبکر کے ساتھ باقی بچوں نے بھی کہا۔

"ان شاء اللہ"

ابوبکر کے بعد عمر کی باری تھی۔ عمر نے کہا:

دادا جی! جس طرح کلمہ پڑھنے کے بعد نماز، روزہ، حج، زکوۃ ہم پر فرض ہوتے ہیں اسی طرح ایک اور عمل بھی ہے، جو کلمہ پڑھنے کے بعد ہم فرض ہوتا ہے، اور اس عمل کے لئے تو میرے آقامدنی ﷺ کی زندگی کا ایک دن یا ایک ہفتہ، یا ایک مہینہ، یا ایک سال نہیں بلکہ زندگی کے دس سال اس عمل پر لگے ہیں۔ جب بھی سیرت طیبہ کو دیکھا یا پڑھا جاتا ہے تو مسلسل کئی کئی دن اسی عمل پر گزرتے نظر آتے ہیں۔

میرے آقا ﷺ کا خون پسینہ محنت، قربانی، ایثار، ہمدردی، مال، اولاد، سب کچھ اس عمل پر لگا ہوا نظر آتا ہے یہاں تک کہ اگر آپ کی نماز میں کسی جگہ پر کچھ وقت کی کمی یا اونچ نیچ نظر آتی ہے تو اس میں بھی اسی کا عمل دخل ہے اور اس عمل کو جہاد فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی اس عمل کو خوب وضاحت سے ذکر کیا گیا اور نبی پاک ﷺ کے قول و فعل نے تو کمال کر دی ہے۔ صبح بھی جہاد، شام بھی جہاد، پورا پورا مہینہ جہاد کی محنت۔ جہاد کے لئے گھر بار کو چھوڑنا، جہاد کی پھر برکت بھی اللہ پاک نے خوب دیکھائی۔

وہی مکہ جس میں میرے آقا ﷺ کو رہنے نہیں دیا جا رہا تھا۔ پھر وہی مکہ مسلمانوں کا مرکز بنا، ہر طرف مسلمانوں کی شان و شوکت، عزت و وقار، بہادری، استقامت کے خوب چرچے تھے۔ ہائے افسوس کے آج ہم نے جہاد چھوڑا تو ہم سے اپنے بہن بھائی بھی دیندار نہ بن سکے۔ اپنے ہی ملکوں میں غلاموں کی زندگی، اپنے ہی گھروں میں مسافروں کی طرح رہنا پڑ رہا ہے۔ نہ عزت، نہ وقار، نہ شہرت، نہ بہادری نہ شان و شوکت کچھ بھی تو آج ہمارے پاس نہیں ہے بس اگر ہے تو بزدلی اور کافروں کی غلامی۔

یا اللہ! ہم پر رحم فرما! ہمیں جہاد کی سمجھ عطا فرما! آمین ثم آمین" یہ سن کر دادا جی بھی "آمین" کہنے لگے اور دادا جی کے ساتھ باقی بچے بھی "آمین" کہنے لگے۔

عمر کے بعد دادا جی سب سے چھوٹی خنسا کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اب اس کی باری ہے۔

خنساء نے جب دادا جی کو دیکھتے دیکھا تو کھڑی ہوئی اور توتلی آواز سے کہنے لگی۔

"ہمیں بڑوں کا ادب کرنا چاہے، چھوٹوں سے شفقت کرنی چاہیے، بڑوں کی بات ماننی چاہیے اور ان سے دعائیں لینی چاہئے، ہمیں اپنے نبی کریم ﷺ سے پیار کرنا چاہیے جیسا کہ وہ ہم سے کرتے تھے" یہ کہہ کر خنساء بیٹھ گئی۔

اب دادا جی نے پانچوں بچوں کو اپنے پاس کھڑا کیا اور کہنے لگے۔

"بچو! آپ سب نے بہت پیاری تیاری کی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کس کو اول کروں، کیونکہ سب ہی اول ہیں۔ اس لئے یہ پانچ پانچ سو کا نوٹ تم سب کا ہے اور اس میں سے جس نے جتنے پیسے مجاہدین کے گلق میں ڈالنے ہوں وہ ڈال دے۔"

یہ سن کر عمر نے پانچ سو کا پورا نوٹ ہی گلق میں ڈال دیا جسے دیکھ کر سب نے ہی پانچ پانچ سو ڈال دئیے۔

یہ دیکھ کر دادا جی اور بھی خوش ہوئے اور نم آنکھوں سے سب کو دعائیں دینے لگے۔

☆......☆......☆

بقیہ: نباتات کے نبی ﷺ

اس کے ساتھ ہی ان دونوں کو ایک جھٹکا لگا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں تو خود کو صحیح سالم پایا۔

"ہاں بچو! دیکھ لی ایک جھلک؟" مکئی کے پودے نے انہیں پکارا

"ہاں انکل! اب ہمیں سمجھ آ گیا ہے کہ پودوں، درختوں کے کیا فوائد ہیں" مومنہ نے جواب دیا

"واہ! مطلب میری محنت رنگ لے آئی"

مکئی کا پودا چہکا

"جی ہاں انکل! اب ہم اپنے گھر، اپنے سکول اور اپنے کھیتوں میں پودے ضرور لگائیں گے اور اس سنت پہ عمل کریں گے"

بدر نے پرعزم لہجے میں کہا تو مکئی کے پودے نے پرسکون انداز میں آنکھیں میچ لیں۔

ربیع الاول کا مہینہ شروع ہوتے ہی چہار سو بہار محسوس ہونے لگی تھی۔گلیوں، کوچوں، چوک چوراہوں اور محلوں میں زور و شور سے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے محفلات منعقد کی جارہی تھیں۔

برقی قمقموں، لائٹوں اور سجاوٹ سے گھروں کو سجایا جارہا تھا۔یہ مسلمانوں کی خود ساختہ تیسری عید میلاد النبی تھی جو بھرپور جوش و خروش سے منائی جا رہی تھی۔ ویران مساجد بھی شاید رمضان المبارک کے بعد اب آباد ہوئی تھیں جہاں اونچے اونچے لاؤڈ اسپیکر پر گانے کی طرز پر لہک لہک کر نعت رسول پڑھ کر عاشق رسول ہونے کا ثبوت دیا جارہا تھا۔

کہیں میلاد کے نام پر چندے جمع کیے جا رہے تھے۔ان دنوں معروف نعت خواں گویا نایاب ہو گئے تھے۔ ہر کسی کی کوشش تھی کہ وہ مشہور و معروف نعت خواں کو بلائے۔ یہ رونقیں بارہ ربیع الاوّل تک تھیں۔

یہ اہتمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشیاں منانے کے لیے کیا جارہا تھا۔شاید یہ سب کرنے سے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے خوش ہوں گے۔

****

ملک بھر میں سیلابی بارشوں نے خوب تباہی کی تھی۔سینکڑوں گھر برباد ہو گئے تھے اور لاکھوں مکین بے گھر ہو گئے تھے۔کسی کے پاس سر چھپانے کے لیے جھونپڑی تک نہ تھی اور کسی کے پاس تن ڈھانپنے کو ایک کپڑا تک نہ تھا۔بھوک اور افلاس کے

مارے کھلے آسمان تلے بے سہارا رب کی طرف سے غیبی مدد ملنے کے منتظر تھے۔ لیکن امت محمدیہ تو جشن ربیعُ الاول میں مگن تھی۔

****

مساجد میں میلاد کے لیے چندہ اکھٹا کیا جا رہا تھا۔ مسجد کے منبر پر بیٹھ کر میلاد کے فضائل و احکام سنائے جا رہے تھے۔ اللہ اور رسول کی ناراضی کے ڈر سے لوگ وعظ سن کر خوف زدہ ہو جاتے اور اپنا مال مسجد کے چندہ باکس میں ڈال کر مطمئن ہو جاتے۔ ان کے چندے سے جب پنکھے کے نیچے نرم قالینوں پر بیٹھ کر، نعتیں سنی اور پڑھی جا رہی تھیں، منبر پر بیٹھے خطبا میلاد میں شریک ہونے والوں کو میلاد کے بعد ان کی بخشش کی خوشخبری سنا رہے تھے، اور آخر میں حلوے یا بریانی سے ان کی تواضع کی جا رہی تھی۔

اور دور کہیں لوگ اپنی جمع پونجی پانی کے ساتھ بہتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

****

آپ ﷺ کی تعلیمات سے تو ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ پہلے حقوق العباد ہیں اس کے بعد حقوق اللہ۔ جب تک اللہ کی مخلوق راضی نہیں ہو گی اللہ بھی راضی نہیں ہوگا۔

آپ ﷺ نے تو پوری امت کو ایک جسم قرار دیا کہ جب جسم کے کسی ایک حصے میں تکلیف ہو تو درد پورا جسم ہی محسوس کرتا ہے اسی طرح امت مسلمہ کا کوئی ایک فرد مصیبت میں ہو تو پوری امت کو اس فرد کے درد کا احساس ہونا چاہیے۔

کیا میلاد میں لاکھوں خرچ کرنے سے، مہنگے نعت خواں بلانے سے، گھروں میں چراغاں کرنے سے، بریانی اور زردہ کی دیگیں چڑھانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہونگے؟

جہاں دوسری طرف کچھ مسلمان گھروں سے بے گھر، بھوک و پیاس کی حالت میں ہیں۔ کسی کے تن پر لباس نہیں تو کوئی پانی کی ایک بوند کو بھی ترس رہا ہے۔ کیا یہ سب دیکھ کر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے حق دار کہلانے کے بھی لائق ہونگے؟

سوچیے زرا! میلاد میں خرچ کیے جانے والی رقم سے کتنے گھروں میں چولہا جل سکتا ہے، کتنے لوگوں کو دو وقت کی روٹی میسر آسکتی ہے۔

خدارا! نظر دوڑائیے اور انصار و مہاجرین کی مثال قائم کیجیے!

پندرہ سو برس پہلے مہاجرین مکہ کو انصار مدینہ نے سنبھالا تھا۔

آج اس اسوہ پر عمل کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔

اپنے چندے، صدقہ و خیرات سے ان بہن بھائیوں کا بھلا کیجیے جو اس وقت آپ کے منتظر ہیں۔

****

لاغر سواری

عمار حسین

اب مجھے یہ جاننے کی خواہش ہوتی کہ ہم کدھر جا رہے ہیں۔ میں نے اپنی ساتھی اونٹنی سے پوچھا کہ تم میرے مقابلے میں صحرا کے راستوں کو خوب جانتی ہو۔ بتاؤ تو سہی کہ ہم کدھر جا رہے ہیں؟

میں صدیوں پہلے عرب کے صحرا میں رہتا تھا۔ میری مالکہ کا نام حلیمہ سعدیہ تھا۔ اس وقت کے رسم و رواج کے مطابق عرب کے خوشحال گھرانے اپنے بچوں کو بدوی عورتوں کے گھر بھیج دیتے تھے تاکہ وہ ان بچوں کو دودھ پلائیں اور بچے آزاد فضا میں پرورش پائیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بچوں کے لئے ڈبوں میں خشک دودھ نہیں ملتا تھا۔

حلیمہ سعدیہ ایسی ہی ایک بدوی خاتون تھیں جو بچوں کو دودھ پلایا کرتی تھیں۔ ان کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ وہ اپنے خاوند حارث کے ساتھ صحرا میں ایک خیمہ میں رہا کرتی تھیں۔ ان کا کوئی گھر نہ تھا۔ جس علاقہ میں وہ رہتی تھیں وہاں بارش بہت کم ہوتی تھی۔

سبزہ نہ ہونے کے برابر تھا اور لوگ بڑے غریب تھے۔ مناسب چارہ نہ ملنے کی وجہ سے میں بیچارہ گدھا خاصا لاغر اور کمزور تھا۔

ایک دن حلیمہ نے خیمہ کے باہر سے مجھے لیا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں اب دوسرے جانوروں کے ساتھ چراہ گاہ کی طرف لے جایا جاؤں گا جہاں مجھے سرسبز گھاس کھانے کو ملے گی۔ ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ اپنے چھوٹے بچے سمیت مجھ پر سوار تھیں اور ان کا بچہ گود میں تھا۔ ہر وقت روتا رہتا تھا۔ حضرت حلیمہ کا شوہر حارث ایک بوڑھی اونٹنی پر سوار تھا ہم صحرا سے گزر رہے تھے۔

ہوا سخت گرم تھی۔ کمزوری اور گرمی کی وجہ سے میں مشکل سے اپنے پاؤں اٹھا سکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد تھکاوٹ بھی محسوس ہونے لگی اور یوں لگا کہ اب میں آگے نہیں بڑھ سکوں گا اور دوسری طرف

حلیمہ سعدیہ کا بچہ تھا جو چپ ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ حلیمہ نے سوچا کہ بچے کو دودھ پلا دے تو شاید چپ ہو جائے لیکن حلیمہ کے پاس دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ کا شوہر بولا کہ تو کیوں دوسرا بچہ دودھ پلانے کی غرض سے لانے کے لئے نکلی ہے جبکہ تیرے پاس اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔

حلیمہ نے جواب دیا کہ جب میں دوسرا بچہ دودھ پلانے کے لئے لاؤں گی تو اس کے گھر والے ضرور کچھ نہ کچھ رقم دیں گے جس سے میں کھانے پینے کا سامان خریدوں گی اور جب میں پیٹ بھر کر کھاؤں گی تو میں اس قابل ہوسکوں گی کہ نہ صرف اپنے بچہ کو بلکہ اس بچے کو بھی دودھ پلا سکوں گی۔ پھر حلیمہ کہنے لگی کہ اب تو مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں ایسا بچہ ملے جس کے گھر والے دولت مند ہوں اور جو خاصی رقم ہمیں دے دیں۔

اب مجھے یہ جاننے کی خواہش ہوتی کہ ہم کدھر جارہے ہیں۔ میں نے اپنی ساتھی اونٹنی سے پوچھا کہ تم میرے مقابلے میں صحرا کے راستوں کو خوب جانتی ہو۔ بتلاؤ تو سہی کہ ہم کدھر جارہے ہیں؟

اونٹنی نے جواب دیا کہ ہم مکہ مکرمہ جارہے ہیں۔ مکہ کا نام سنتے ہی میرے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ایسا لگا کہ مجھ میں چلنے کے لئے خوب طاقت آگئی ہے۔ اب کیا تھا کہ میں تیزی سے دوڑ رہا تھا ایسا کیوں ہوا مجھے بھی نہیں معلوم کہ ہم ان لوگوں سے پہلے پہنچ گئے جو ہم سے پہلے روانہ ہوئے تھے۔

حلیمہ سعدیہ نے اللہ کا شکریہ ادا کیا اور بچے کی تلاش میں نکل گئی۔ کافی دیر بعد جب وہ واپس آئی تو تھکی ہاری تھی اور غمگین دکھائی دیتی تھی۔

میں نے اسے اپنے خاوند سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایسا لگتا ہے کہ ہم خالی ہاتھ ہی واپس جائیں گے اور اب تو بھوک اور تھکاوٹ بھی بڑھ گئی ہے۔ مجھے بیچاری حلیمہ سعدیہ پر اس لئے بہت ترس آیا کہ کوئی بھی خوشحال گھرانہ اپنے بچے کو ایک کمزور اور لاغر عورت کے حوالے نہ کرنا چاہتا تھا۔ حلیمہ کی تمام ساتھی عورتوں کو بچے مل گئے صرف ایک یتیم بچہ رہ گیا جسے حلیمہ سعدیہ اور ان کی ساتھی عورتوں نے اس خوف کی وجہ سے نہ لیا تھا کہ ایک یتیم بچے کی طرف سے انہیں کیا ملے گا؟

تھوڑی دیر بعد میں نے حلیمہ سعدیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے کہ میں اس یتیم بچے کو ہی لے چلوں وہ دوبارہ شہر کی طرف چلی اور تھوڑی دیر بعد اپنی گود میں ایک بچہ کو لئے ہوئے آئیں۔ ایک بے حسین جمیل بچہ جیسے چودھویں کا چاند ہو۔ حارث بچہ کی طرف بڑھا اور جب اس کی نظر بچہ پر پڑی تو اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔

اس نے اپنی بیوی حلیمہ سے پوچھا کہ یہ کس کا

بچہ ہے؟ اور اس کا کیا نام ہے؟ حلیمہ نے جواب دیا کہ اس کا نام "محمد" ہے اور اس کے باپ کا نام عبداللہ اور دادا کا نام عبدالمطلب ہے اس کے دادا قریش کے سردار ہیں۔

اور یہ ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا تھا۔ ان کی والدہ آمنہ کا قریش کے ایک معزز گھرانے سے تعلق ہے۔

آمنہ کے والد ایک معزز عرب سردار تھے جن کا نام وہب تھا۔

یہ باتیں سن کر حارث کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

دونوں بچوں کے ساتھ حلیمہ سعدیہ مجھ پر سوار ہوگئیں۔ حلیمہ کا بچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا اور خوش ہوتا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت خوش نظر آرہے تھے۔ حارث بھی اپنی اونٹنی پر سوار ہوا اور ہم روانہ ہوگئے۔

مجھے ایسا لگا جیسے میں چل نہیں بلکہ تیزی سے دوڑ رہا ہوں۔ میں ان تمام جانوروں سے آگے نکل گیا جو ہمارے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے تھے۔ پھر میں نے ان جانوروں کو بھی جالیا جو ہم سے بہت پہلے مکہ سے نکلے تھے۔ اپنے جسم میں میں نے ایک عجیب سی طاقت محسوس کی مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں نے کافی عرصہ کسی چراگاہ میں کھانے پینے میں وقت گزارا ہے۔ اور خوب سیر ہو چکا ہوں۔

حارث کی اونٹنی کی بھی کچھ ایسی ہی حالت تھی۔ وہ بے چاری پتلی کمزور ہونے کے باوجود ایسی تیز رفتاری سے چل رہی تھی کہ جیسے وہ اونٹنی نہ ہو بلکہ گھوڑا ہو۔ اب ہم حضرت حلیمہ سعدیہ اور حارث کے خیمہ تک پہنچ چکے تھے۔

ہمارے خیمہ پر پہنچنا تھا کہ یوں لگا جیسے بے شمار خیر و برکتیں ہم پر نازل ہو رہی ہیں۔ ہمارا حال ہی بدل گیا۔ پہلے تو کئی مہینوں سے آسمان سے بارش کا ایک قطرہ بھی نہ گرا تھا اب کیا دیکھتے ہیں کہ بادل اکٹھے ہونے شروع ہوئے، زور سے بارش ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین جل تھل ہوگئی۔ ہر طرف سبزہ اور گھاس نکلنے لگی۔

بھیڑ بکری، اونٹ میں اور میرے ساتھی جس طرف جاتے ہمیں کثرت سے چارہ اور پانی ملتا غرض ہر چیز ہی بدل گئی، زمین، آسمان، فضا لوگ مویشی مجھے یوں لگتا تھا جیسے ہر چیز کا رنگ نکھر آیا ہے۔

یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ محمد ﷺ ہمارے درمیان آگئے تھے۔ جہاں تک حضرت حلیمہ سعدیہ کا تعلق ہے ان کی خوش نصیبی کی انتہا نہ تھی پہلے تو یہ تھا کہ ان کے پاس اپنے بچے کو پلانے کے لئے دودھ نہ تھا مگر اب یہ حال تھا کہ اپنے بچے اور محمد کو دودھ پلاتیں، اور وہ دونوں خوب سیر ہو جاتے۔

حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں کی حالت ہی بدل گئی۔ ان کے پاس کھانے پینے کی اشیاء کی کثرت ہوگئی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت حلیمہ سعدیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مجھ پر سوار ہوتیں

اور صحرا میں جاتیں۔ مجھے صحرا کی گرمی کا احساس تک نہ ہوتا۔ بلکہ یوں لگتا تھا جیسے کسی بادل نے ہم پر سایہ کرلیا ہے اور سورج کی گرمی سے ہم کو بچائے ہوئے ہے۔ یہ لمحات جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر سوار ہو کر جاتے تھے مجھے بہت ہی مبارک لگتے تھے۔

اسی دوران ہم ایک بار مکہ گئے تو حضرت حلیمہ سعدیہ نے اجازت چاہی کہ انہیں ایک بار پھر میرے ساتھ بھیج دیں۔ چنانچہ حضرت آمنہ نے بخوشی اجازت دے دی۔ اب ہم واپس لوٹے ایسا لگتا تھا جیسے میں خوشی سے ہوا میں تیر رہا ہوں جو مجھے بھاگتے دیکھتا اسے یقین نہ آتا کہ میری رفتار ایک گدھے کی ہے جب ہم واپس گھر پہنچے تو حارث کی خوشی کی انتہا نہ رہی اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا تھا کہ محمد ہمارے ساتھ دوبارہ واپس آگئے ہیں۔ محمد ہمارے ساتھ رہنے لگے خیر و برکت کی بارشیں ہم پر ہوتی رہیں۔ ہماری خوشی اور مسرت کی انتہا نہیں تھی۔

اس طرح دن اور مہینے گزرتے گئے کہ ایک دن سیدہ حلیمہ کا بیٹا دوڑتا ہوا آیا اور رو رو کر کہنے لگا کہ دو شخص جو سفید لباس پہنے ہوئے تھے آئے اور میرے بھائی محمد کو پکڑ کر لے گئے۔ حارث زور سے چلایا۔

"ہائے غضب! ان دونوں نے انہیں پکڑ لیا، ارے محمد تو ہمارے پاس امانت ہیں۔ اب ہم کیا جواب دیں گے"

حلیمہ اور اس کا شوہر حارث دوڑ کر محمد کی تلاش میں باہر بھاگے میں بھی پیچھے پیچھے نکلا کہ کیا وجہ ہے؟ ہم نے محمد کو صحرا میں کھڑے پایا۔ ان کے چہرے پر ایک عجیب نور تھا۔ باوجود اس کے کہ محمد بالکل صحیح وسلامت تھے۔ حضرت حلیمہ اور اس کا شوہر حارث بہت ڈر گئے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت محمد کو ان کی والدہ کو واپس کر دیں اس ڈر سے کہ کہیں ان کو کچھ ہو نہ جائے۔

اب ہم دوبارہ مکہ گئے اور محمد کو دوبارہ ان کی والدہ کے پاس چھوڑ آئے ہم تو محمد کو مکہ چھوڑ آئے لیکن اپنے پیچھے محمد ﷺ ہمارے لئے تمام خیر و برکتیں چھوڑ گئے۔ خوب بارش ہوئی ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ ہمارے لئے کھانے پینے کو کثرت سے تھا اور ہم سب خوش وخرم تھے۔

بعد میں جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ دو انسان نہیں بلکہ فرشتے تھے جو اللہ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو غسل دے کر پاک کرنے آئے تھے۔ میں بہت ہی خوش ہوا۔

دراصل یہ فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر سے شیطان کا حصہ نکالنے اور آپ ﷺ کو رسالت کی ذمہ داری کے لئے تیار کرنے آئے تھے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ پر لاکھوں درود وسلام ہوں۔

****

عجیب و غریب کاریں

آج کے راز سربستہ میں ہم آپ کو دکھاتے ہیں کچھ عجیب وغریب گاڑیاں ۔جنہیں دیکھ کر آپ حیران بھی ہوں گے اور پریشان بھی!!

ماڈل خواہ کوئی بھی ہو، سڑکوں پر دوڑتی کاریں عام طور پر ایک سی دکھائی دیتی ہیں۔ چار پہیوں کے او پر رکھا بڑا سا ''دھاتی بکسا''۔۔۔

اس کے سوا اور آپ کیا توقع کر سکتے ہیں۔ لیکن دنیا میں کچھ ایسے کار ماڈلز بھی ہیں جن کا ڈیزائن دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں کہ یہ کار ہے یا کیا ہے؟

آئیے ذرا نگاہ ڈالتے ہیں کہ دنیا کی دس عجیب ہیئت کاریں کیسی دکھائی دیتی ہیں۔ ہوسکتا ہے ان میں سے کوئی آپ کی خواہش کی عکاسی کرتی ہو۔

Norman Timbs Special

نارمین 1940 کی دہائی کا معروف انجینیر تھا جس نے Tucker آٹوموبائلز کے لیے کام کیا۔ اپنے عروج کے دوران اس نے ایک بڑا پروجیکٹ اپنے ہاتھ لیا جسے تکمیل دینے میں تین سال لگے اور نتیجہ اس تصویر کی صورت آپ کے سامنے ہے۔

اس نفیس اور تیز رفتاری سے لپکنے والی کسٹم کار ماڈل کا نام ہے Norman Timbs Special۔ لمبی ناک کی مانند فرنٹ اور سلم بیک والی اس کار میں دروازوں کا نام نشان نہیں۔ اپنے منفرد ڈیزائن کے باعث یہ کار عجیب ہیئت کاروں میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوئی۔

Stout Scarab

اس کار کو ولیم بشتنیل نے 1932 میں تیار کیا۔ یہ دنیا کی پہلی ''منی وین'' بھی کہلاتی ہے۔ کار بنانے والے نے اسے ''پہیوں پر بنا دفتر'' کا نام دیا تھا۔ اس کار میں اس وقت کے اعتبار سے خلاف روایتی تنگ ناک نما فرنٹ بنایا گیا۔ جبکہ پہیوں کے اوپر ڈیزائن بھی اس طرح بنایا گیا کہ زیادہ

سے زیادہ جگہ گھیری جا سکے۔

اس ماڈل کی صرف ایک درجن کاریں ہی تیار کی گئیں تھیں۔جن میں سے 5 کے قریب اس وقت حرکی حالت میں پائی جاتی ہیں۔

Bugatti Type 57s Aérolithe

بگاٹی کا نام سنتے ہی ایک تیز رفتار سپر کار ویرون ماڈل ذہن میں ابھرتا ہے۔لیکن اس کمپنی نے سو کے قریب مختلف کار ماڈلز متعارف کروائے تھے۔جن میں سے کچھ عجیب وغریب شباہت رکھنے والے بھی تھے۔ان ہی میں سے ایک ہے بگاٹی کا ٹائپ 57 ماڈل۔ 57 کے اندر بھی کئی ماڈل تھے جنہیں 57c,57t کے نام دیے گئے تھے۔لیکن ان میں ٹائپ 57s سب سے منفرد اور اپنی مثال آپ تھی۔

General Motors Le Sabre

تخلیقی ڈیزائن پر مشتمل یہ ایک ایسی کار تھی جسے 1953 میں ریلیز کیا گیا۔اس کا ڈیزائن ایک ائیر کرافٹ سے متاثر ہو کر تیار کیا گیا تھا۔ یہ کار
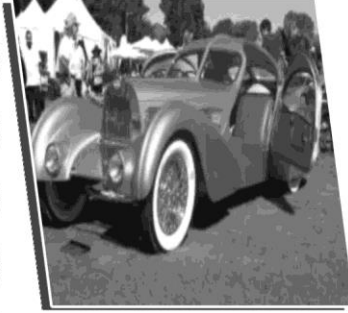
پچاس کی دہائی میں اتنی عجیب نہیں دکھائی دیتی تھی۔بلکہ اس طرح کے ڈیزائن کافی عام ہو چکے تھے۔لیکن موجودہ وقت کے حساب سے یہ ڈیزائن عجیب وغریب دکھائی دیتا ہے کیوں کہ اب ایسی کاریں متروک ہو چکی ہیں۔

Ford Speedster1932

فورڈ کی تیار کردہ اسپیڈسٹار کا منظر غیر معمولی طور پر منفرد دکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کار

2016 میں ہونے والی نیلامی کے نتیجے میں 7 لاکھ 70 ہزار ڈالرز میں نیلام ہوئی۔ اس کی ونڈ اسکرین غیر روایتی طور پر کونے سے مڑ کر دو حصوں میں منقسم ہوتی تھی۔ یہ ڈیزائن اتنا منفرد تھا کہ اس کار کی ریلیز کے وقت کسی کو سمجھ نا آتی تھی کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے۔ آج یہ کار دنیا کی عجیب وغریب کاروں میں جگہ پا چکی ہے۔

Peel P50

ایک بات بہرحال ماننی پڑے گی کہ یہ کار بظاہر بڑی کیوٹ دکھائی دیتی ہے۔ تین پہیوں پر مشتمل یہ ایک ایسی مائیکرو کار تھی جسے پیل کمپنی کی جانب سے 1962 سے 1965 کے دوران متعارف کروایا گیا تھا۔ یہ کار گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں دنیا کی سب سے چھوٹی کار کے طور پر بھی درج ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ دنیا کی عجیب ہیئت کاروں میں سے بھی ایک ہے۔

Tasco1948

انسانی دماغ کا شاہکار ٹیسکو کار آج بھی کچھ لوگوں کی پسندیدہ ہے۔ لیکن اسے پسند کرنے والے وہی لوگ ہیں جو کلاسک کاروں کو جنون کی حد تک چاہتے ہیں۔ جبکہ باقیوں کے لیے یہ ایک عجوبہ روزگار کار ہے۔

گورڈن بیورگ کی جانب سے ڈیزائن کی گئی ٹیسکو دراصل جنگ عظیم دوئم کے بعد ایک ماریکی اسپورٹس کار کے لیے پروٹو ٹائپ کے طور پر تیار کی گئی تھی۔ اس میں ہوائی جہاز کی مانند کنٹرول ڈیزائن کیے گئے تھے۔ یہ دنیا کی پہلی کار تھی جس کی چھت T-Shape بنائی گئی تھی۔

General Motors II and III,Firebird I

فائر برڈ کاریں دراصل پروٹو ٹائپ کاریں تھیں جنہیں جنرل موٹرز نے 1953، 1956 اور 1959 کے موٹر شوز میں پیش کیا تھا۔ یہ تمام کاریں ایک جیٹ پلین کو مدنظر رکھ کر ڈیزائن کی گئی تھیں۔اور ہر بعد میں آنے والی کار پہلے والی سے بھی منفرد تھی۔

نا ہو سکے البتہ یہ کار بنا ڈالی جو آج عجیب غریب کی فہرست میں آٹھہری۔
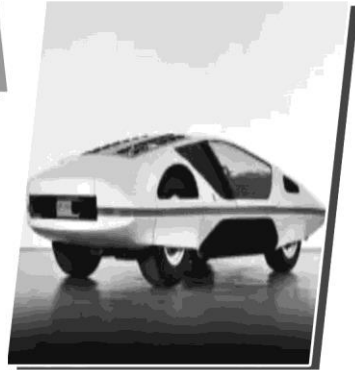
Ferrari 512S Modulo

جی جناب! یہ کوئی مذاق نہیں بلکہ واقعی ایک فراری کار ہے جسے پاؤلو مارٹن نے ڈیزائن کیا تھا۔اسے 1970 کے جنیوا موٹر شو میں نمائش کے لیے پیش کیا گیا۔ یہ کار آج دنیا کی سب سے عجیب و غریب اور منفرد کار کا اعزاز رکھتی ہے۔

GildaChrysler1955

قارئین میں سے کچھ خیال کریں گے کہ یہ شاید خوبصورت ترین کاروں میں سے ایک ہے جب کہ ہمارے خیال میں یہ عجیب و غریب کاروں میں سے ایک ہے۔ بظاہر دیکھنے سے ہی یہ ایک اسپیس شپ دکھائی دیتی ہے۔اور یقیناً اس ڈیزائن کے پیچھے بھی کوئی وجہ تھی۔اور وہ وجہ یہ تھی کہ اس کے ڈیزائنرز بہترین ایروڈائنامکس پر مشتمل ڈھانچہ تیار کرنا چاہتے تھے۔وہ اس میں تو کامیاب

جویریہ ریاض

کیا ہوا ہے

میں کمرہ امتحان میں بیٹھا پرچا لکھنے میں مگن تھا۔تیسرے سوال پر پہنچا تو اٹک گیا، کیونکہ اس سوال کا جواب میرے ذہن سے بالکل غائب ہو چکا تھا۔میں نے باقی پرچے کو حل کرنے میں مصلحت سمجھی اور اس سوال کو چھوڑ دیا۔

آخر میں صرف آٹھ منٹ رہ گئے تھے اور وہ سوال جو مجھے نہیں آتا تھا۔اب میں اپنے ذہن کو اس سوال کا جواب سوچنے پر مجبور کر رہا تھا مگر ذہن تو جیسے سن ہو چکا تھا۔اب باقی رہ گئے تھے پانچ منٹ۔

ماں باپ کا مسکراتا چہرہ......سٹیج پر انعام کے لیے پکارا جانا......اور بھی بہت کچھ مجھے یاد آیا۔دو نمبر کے اس سوال کو حل کرنا میرے لیے کتنا اہم تھا۔میں نے پورے کمرے میں نگاہ دوڑائی۔ ہر بچہ کچھ نہ کچھ پوچھنے میں مگن تھا۔بزرگ استاد ان کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔استاد جماعت میں کھڑا ہے۔اس کا مطلب آج کی نسل کو کہاں سمجھ آئے۔

میرے نفس نے پکارا کہ تو بھی باقی بچوں کی طرح کسی سے پوچھ لے۔کیا ہوا جو ایک سوال کسی سے پوچھ لیا۔باقی پرچہ تو خود ہی حل کیا ہے۔

مگر ضمیر نے جھنجوڑا کہ استاد دیکھ رہے ہیں اور پوچھ کر لکھنا بھی کیا لکھنا ہے بھلا۔کامیابی تو اپنی محنت سے حاصل کی جاتی ہے اور استاد دیکھے یا نہ دیکھے مگر اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہے ہیں۔

نفس پھر بولا کہ تمہارے سامنے ماں باپ کے بہت سے خواب اور امیدیں جڑی ہیں۔اللہ

تعالیٰ تمہاری محنت سے لاعلم تو نہیں ہیں۔ایک سوال پوچھنے سے کیا فرق پڑتا ہے اور پھر وہی ہوا جو کمزور ایمان والے انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ نفس جیت گیا اور ضمیر......اس کی آواز دبا دی گئی۔

آخر میں نے استاد کی نظروں سے بچتے ہوئے سامنے بیٹھے بچے سے پوچھ ہی لیا اور اس طرح وہ سوال بھی لکھ لیا۔مگر ضمیر کی ملامت ابھی بھی جاری تھی اور کہہ رہا تھا کہ اب بھی وقت ہے،مٹا دے اسے ،اللہ دیکھ رہا ہے۔تمہارے مرنے کے بعد ان نمبروں کے ملنے یا نہ ملنے سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا مگر ضمیر کی ملامت کی پروا کسے تھی۔آخر میں کمرہ امتحان سے ضمیر کا قتل کر کے باہر نکل آیا۔

اس دن مجھے لگا کہ یہاں تو انسان کرپٹ ہے۔جو جتنی استطاعت رکھتا ہے وہ اتنا دھوکہ دے دیتا ہے۔ایک بچہ نقل کر کے اپنی بدعنوانی کا ثبوت دیتا ہے۔ایک ملازم کام ٹھیک سے نہ کر کے......اور اسی طرح اور بھی بہت کچھ......

اور بعد میں کیا ہوتا ہے؟ فلاں لیڈر ہی کرپٹ مگر ہمارے بڑے بزرگ کیا کہتے تھے؟

"جیسی عوام ویسے حکمران"

ضرورت تو اس بات کو سمجھنے کی ہے کہ میں کیا ہوں؟ مگر افسوس......اپنی غلطی کسے نظر آئے؟ کون سمجھے کہ ہم اپنی سطح پر بے ایمانی کا مظاہرہ کر رہے ہیں...... چاہے وہ بے ایمانی کا تعلق اللہ سے ہو یا اس کے بندوں سے۔

****

ایک چالاک آدمی نے اپنا کنواں بیچنے کا اعلان کیا۔ ایک کسان نے قیمت ادا کی اور کنواں خرید لیا۔ اگلے روز وہ کنویں پر پہنچا تا کہ اپنے کھیت کو سیراب کر سکے تو کیا دیکھتا ہے کہ چالاک آدمی وہاں بیٹھا ہے۔ کسان نے کنویں سے پانی نکالنا چاہا تو چالاک آدمی بولا: "میاں! میں نے کنواں بیچا تھا، نہ کہ اس میں موجود پانی"

کسان نے بھی ترڑ سے جواب دیا: "ٹھیک ہے اپنا سارا پانی ابھی کے ابھی نکال لو!" یہ سن کر آدمی کی چالاکی غائب ہوگئی اور وہ نو دو گیارہ ہوگیا۔

آرٹ گیلری
Ayesha Saddiqa
(Lahore)
پاکستان کا مطلب کیا
لا الٰہ الا اللہ
خلفائے راشدین
ابوبکر
عمر
عثمان
علی
آرٹ: بنت چاچا غازی

اللہ جل جلالہ
بسم اللہ الرحمن الرحیم
صلی اللہ علیہ وسلم
محمد
خدیجۃ الکبریٰ
آرٹ:
#معرکہ سیف القدس

محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سیرت النبی
Ammarah
SHAHANA
جل جلالہ
كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ
ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے
بسم اللہ الرحمن الرحیم
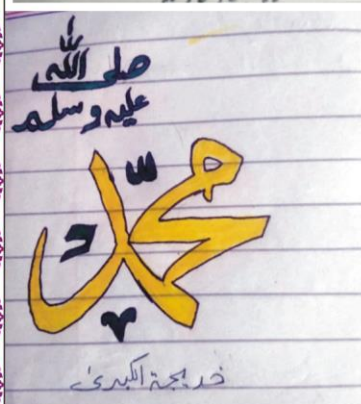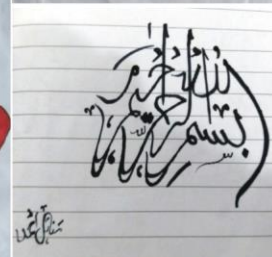
دولت کی پجاری

گھٹتی ہوئی دولت کو بڑھادیتا ہے ڈالر
گرتے ہوئے لیڈر کو اٹھا دیتا ہے ڈالر
دیکھا ہے زمانے نے کئی بار یہ منظر
توقیر سیاست کی گھٹادیتا ہے ڈالر
جس ملک کے حاکم کو غلامی نہیں منظور
اس ملک کے حاکم کو سزا دیتا ہے ڈالر
جو اس کے غلاموں کی غلامی نہیں کرتا
اس شخص کو منظر سے ہٹادیتا ہے ڈالر
پچکی ہوئی جیبوں کی تجوری کو پھلاکر
غدار وزیروں کو بنادیتا ہے ڈالر
جب لہر میں آتا ہے تو ملا کا عمامہ
سر سے سر بازار گرا دیتا ہے ڈالر
صوفی کا تصور بھی تصور نہیں دیتا
کیا سوچ رہا تھا، یہ بھلادیتا ہے ڈالر

ہمشیرہ بابر آفریدی شہید رحمہ اللہ

حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو ’’مغفرت‘‘ اور ’’رحمت‘‘ عطاء فرمائے......

ربّ اغفروارحم وانت خیر الراحمین

یہ وہ دعاء ہے، جس کے مانگنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو فرمایا.......... وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ (المؤمنون ۱۱۸)
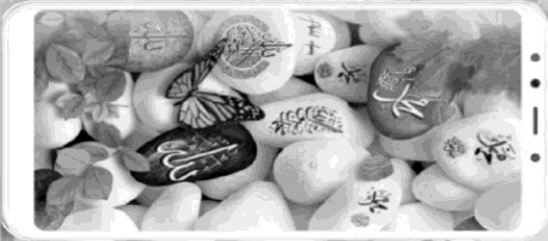
اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں...... بندہ کل سے جہادی تقاریر سن رہا ہے...... پرجوش، بامغز، موثر اور دلچسپ تقاریر...... مگر کہاں؟...... ٹی وی اپنے پاس نہیں ہے...... اللہ کرے کبھی نہ ہو...... ویسے بھی ٹی وی جہادی تقاریر کہاں سناتا ہے؟...... وہاں تو جہاد کے خلاف بولا جاتا ہے...... تو کیا پھر کسی جلسے میں کل سے شریک ہوں؟...... نہیں جی! بہت عرصہ ہوا ایسے جلسوں میں شرکت قسمت میں نہیں...... مالک کی مرضی...... اور ہمارا فرض کہ اُن کی مرضی پر دل کی خوشی سے راضی رہیں...... ایک صاحب مکہ مکرمہ میں مقیم تھے مگر ایسے بیمار پڑے کہ حرم شریف جانے سے رہے...... حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے ملاقات ہوئی تو اپنے غم، دکھ اور محرومی کا رونا رو

پڑے...... باعمل صاحب بصیرت نے پوچھا...... اپنی مرضی سے نہیں جاتے؟...... کہنے لگے معذوری کی وجہ سے نہیں جا سکتا...... فرمایا پھر جنہوں نے گھر بٹھایا ہے اُن کے فیصلے پر دل سے راضی رہو...... کیا عجب اس رضا کی برکت سے حاضری سے بھی زیادہ کما لو گے...... بے شک بہت سے لوگ حرم سے دور، مجبور کعبہ کے کبوتروں سے بھی زیادہ کعبہ شریف کے قریب رہتے ہیں...... اور بہت سے جسمانی طور پر قریب بہت دور، بہت دور بھٹکتے ہیں...... بعض اوقات عبادت میں بھی نفس کی خواہش شامل ہوجاتی ہے...... فرمایا آخری زمانے میں مالدار لوگ حج اور عمرے اپنی شان بڑھانے اور دکھانے کو کریں گے...... کیا فائدہ؟...... مٹنے کی جگہ ابھرنا بڑی نادانی ہے...... جلسے میں بھی نہیں گئے تو پھر کل سے جہادی تقاریر؟...... آج کل خبروں میں مایوسی اور اندھیرا ہے...... ایک طرف میمو گیٹ اسکینڈل...... غداری کی ایک نئی داستان...... اسے پڑھنا بھی مشکل کیونکہ...... مکروہ ہی نہیں، مکروہ ترین بلکہ حرام کرداروں سے گزرنا پڑتا ہے...... منصور اعجاز! جس کا نام سنتے ہی متلی اور گھن آتی ہے...... ایسا شخص! جس سے نفرت ایمان کا تقاضہ ہے...... حسین حقانی! نام تو اچھا ہے مگر کردار بھیانک اور مکروہ...... دنیا کی خاطر اپنا اور اپنے ملک کا سب کچھ بیچنے والا...... دنیا یہاں رہ جائے گی اور وہ آگے چلا جائے گا...... وہاں نہ عیاری کام آئے گی اور نہ کافروں سے تعلقات...... مہران بینک اسکینڈل...... ہمارے سیاستدانوں کا حمام...... کوئی نئی بات نہیں...... ہمارے حکمران اور سیاستدان خود ہمارے اعمال کی طرح بہت بدنما اور بہت خوفناک ہیں...... ایک وکیل صاحب انڈیا گئے تو مشرکین کے جوتے صاف کرتے رہے...... واپس آگئے ہیں اور اُن سے کوئی پوچھنے والا نہیں...... بلکہ اب تو صدر صاحب انڈیا کے نجی دورے پر جارہے ہیں...... شوق سے جائیں! پسند آجائے تو وہیں رہ جائیں...... اندھیر نگری ہے اندھیر نگری...... غریبوں کی آنکھیں پریشانی سے باہر آرہی ہیں...... گوشت تو دور کی بات دال سبزی کھانے کی ہمت بھی نہیں...... روزآنہ پہلی خبر مہنگائی میں اضافے کی ہوتی ہے...... اور دوسری طرف ملک کے حکمران اور سیاستدان نیٹو سپلائی بحال کرنے کے لئے بے تاب ہیں...... قاتلوں کو سامان دیں گے تاکہ وہ مسلمانوں کا خون بہائیں...... قرآن پاک کی بے حرمتی کریں...... اور اُمت مسلمہ کے بچوں کا قیمہ بنائیں...... ایک محمد المراح...... اللہ تعالیٰ اُسے مغفرت اور رحمت عطاء فرمائے...... اُس نے صرف سات یہودی فرانس میں مار ڈالے......

فرانس کے وزیر داخلہ نے اُسے ''جانور'' قرار دیا...... اور اُس کے والد کو جانور کا باپ ہونے کا طعنہ دیا...... مگر غزہ اور قندھار کے علاقے'' پنجوائی'' میں جو بچے شہید ہوئے؟...... خیر ہمیں کسی سے شکوہ کرنے کی عادت نہیں...... اور نہ ہی قلم کے زور پر آئینہ دکھانے کا شوق ہے...... اب ایک جنگ ہے...... عالمگیر صہیونی، صلیبی جنگ...... جس دن سب مسلمانوں نے یا اکثر نے اسے سمجھ لیا...... تب ان درندوں کو دن کے تارے نظر آئیں گے...... اور تب لفظوں کی بحث ختم ہو جائے گی...... ابھی تک مسلمان میدانی جنگوں میں جواب دے رہے ہیں...... اور ماشاء اللہ بہت خوب دے رہے ہیں...... مگر ایک دن یہ جنگ پھیل جائے گی اور ہر دکھی دل نوجوان'' محمد المراح'' بن جائے گا...... تب کیا ہوگا؟...... ہم مسلمان آخری اُمت ہیں...... اور ہم نے ہی اس دنیا میں رہنا ہے اور ہمارے بعد اس دنیا کا خاتمہ ہے...... مسلمانوں کے خاتمے کا خواب دیکھنے والے بہت نادم ہوں گے...... بلکہ ہو رہے ہیں...... کسی کو ''لینن گراڈ'' کا وہ جلوس یاد ہے جس میں ایک نقلی جنازہ اٹھایا گیا...... نعوذ باللہ، خدا کا جنازہ...... کوئی اُن کا اپنا نقلی خدا ہوگا...... ہمارا الٰہ تو ''اللہ'' ہے...... حیّ قیوم...... قادر اور مقتدر...... کہتے تھے بس اب اسلام ختم...... آپ بازار جائیں

اور دنیا کے دو نقشے خرید لائیں...... ایک بیس پچیس سال پُرانا اور ایک آج کا...... حیرانی ہوگی کہ کتنے نام غائب ہو چکے اور کتنے نئے نام ابھر چکے...... سوویت یونین کو کوئی رونے والا بھی نہیں...... اب ایک اور کام کریں آج کا نقشہ خرید لائیں اور تاریخ لکھ کر رکھ لیں...... پندرہ برس بعد جو زندہ ہو وہ اُس وقت کا نقشہ لے اور آج کے نقشے سے ملائے...... تب جہاد کی قوت اور تاثیر کا اندازہ بہت کھلی آنکھوں سے ہو جائے گا انشاء اللہ...... نہ ٹی وی ہے نہ جلسہ...... نہ انٹرنیٹ ہے اور نہ سٹیلائٹ...... پھر جہادی تقریریں کہاں سُن لیں؟...... یقین کریں ابھی بھی کانوں میں گونج رہی ہیں...... اور اتنی سنیں کہ رات دو گھنٹے اور ابھی تقریباً ایک گھنٹہ سے کچھ زائد...... حالت یہ ہے کہ پہلو بدلنا یاد نہ رہا...... تقریر بھی ایک نہیں پوری چھتیس...... ظاہر بات ہے مجھے وقت کی کمی رہتی ہے...... چند ایک پوری سنیں اور باقی جھلکیاں...... خطباء سارے گرمجوش تھے...... اور دلائل سے مالا مال...... قرآن مجید کی آفاقی آیات...... احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم...... اور حواس پر چھا جانے والے اشعار...... تسلسل ایسا کہ سیلاب کا منہ چڑائے...... اور جذبہ ایسا کہ پہاڑوں پر آشیانے جگائے...... مجھے یہ بھی سہولت تھی کہ...... جس خطیب کو چاہتا روک دیتا اور جس کو چاہتا تیز

دوڑا دیتا...... کسی کے آغاز کو سن لیتا تو کسی کے اختتام کو...... کئی بار آنکھوں سے آنسو برسے...... اور بعض اوقات دل کی دھڑکن بھی تیز ہوئی...... اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں رونے کے ساتھ ہنسی کو بیان فرمایا ہے...... ان تقریروں میں ہنسنے کا موقع نہیں تھا...... مگر فطرت کام دکھاتی ہے...... ایک خطیب صاحب نے موقع فراہم کر دیا...... وہ شہید اسلام حضرت فتح علی (ٹیپوؒ) کا تذکرہ کر رہے تھے...... کہنے لگے...... میر صادق کی غداری نے فتح کو شکست میں بدل دیا...... یہ جملہ کہتے ہوئے اُن کے حافظے نے کام چھوڑ دیا...... انہوں نے تین بار دُہرایا...... فتح کو شکست میں بدل دیا...... اور اسی پر اپنی تقریر ختم کر دی...... شائد منصف حضرات نے بھی مجبوراً اس خطیب کی فتح کو شکست میں بدل دیا اور وہ مقابلے میں کوئی پوزیشن نہ پا سکے...... یہ دراصل جمعرات کی شب...... یعنی ''لیلۃ الجمعۃ'' کا واقعہ ہے...... جب ساری دنیا میں جہاد کے خاتمے کے لئے اربوں ڈالر کا لین دین چل رہا تھا...... لاکھوں کے لشکر مہلک ہتھیاروں کے ساتھ اُمت مسلمہ کو مٹانے کے لئے مختلف محاذوں پر تھے...... ہزاروں ٹی وی، نیٹ اور ریڈیو چینل جہاد کے خلاف زہر اگل رہے تھے...... تب بہاولپور کی جامع مسجد عثمانؓ و علیؓ ''دعوت جہاد'' سے گونج رہی تھی...... ایک تقریری مقابلہ تھا...... اور عنوان تھا ''تاریخ جہاد'' خطباء کی تعداد چھتیس تھی...... سندھ، بلوچستان، پنجاب، سرحد اور آزاد کشمیر کی بھرپور نمائندگی...... اپنے اپنے ڈویژنوں کے فاتح مقررین ''بزم یوسفی'' کے حتمی مقابلے میں زور آزمائی کر رہے تھے...... یہ مقابلے ماشاء اللہ کئی سالوں سے جاری ہیں...... مگر سننے کا موقع پہلی بار ملا...... اور دل کو خوشی پہنچی...... مقابلے میں دینی مدارس کے طلبہ شریک تھے...... وہ وقت بھی دور نہیں جب انشاء اللہ...... کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ بھی اس بزم کا حصہ بنیں گے...... حضرت ابّا جیؒ کی برکت اور فیض...... بندہ کو انہوں نے اسکول کے زمانے سے ان مقابلوں میں اُتار دیا...... اُن کی ایک تحریر فرمودہ تقریر دس سال سے کم عمر میں طوطے کی طرح یاد تھی...... اس تقریر سے کئی مقابلے جیتے...... سیرت حضرت آقا مدنی ﷺ پر بیان تھا...... بہت فصیح اور خوبصورت اشعار سے مزین...... حتی کہ رحیم یار خان کے ایک بڑے سکول کا مقابلہ بھی...... ہزاروں افراد کی موجودگی میں بغیر کسی تیاری اور محنت کے جیت لیا...... گیارہ سال عمر تھی اور بٹن آن ہوتے ہی تقریر جاری ہو جاتی اور بغیر رُکے مکمل ہو جاتی...... اللہ تعالیٰ نے مدرسہ کے نورانی، پاکیزہ اور ایمان پرور ماحول میں پہنچایا تو...... تقریری مقابلہ جاری رہا...... ایک بار جہاد کا موضوع دیا گیا...... کتب

خانے چھان مارے مگر جہاد پر باقاعدہ کتابیں اور رسالے نہ ملے...... اردو میں ایک صاحب کی جہاد پر کتاب تھی...... مگر وہ صاحب اہل علم کے حلقے میں اعتبار نہ پاسکے...... ویسے بھی اُن کے ارد گرد کہیں جہاد نہیں تھا تو ظاہر ہے...... ہوائی باتیں زیادہ تھیں...... ایک طالب علم کے ہاتھ میں وہ کتاب دیکھی مگر نہ اُس وقت پڑھی اور نہ بعد میں...... البتہ جامعہ کے وسیع و عریض کتب خانے میں عربی کی تین کتابیں مل گئیں...... اُن سے کچھ مواد لیا اور باقی خود تیار کیا...... مدرسہ جانے کے بعد لکھی ہوئی تقریر کرنے...... یا تقریر کو رٹا لگانے کی عادت بالکل چھوٹ گئی...... بس مطالعہ ہو جاتا اور پھر موقع پر جو اُس میں سے بیان ہو سکتا کر دیتے...... معلوم نہیں یہ عادت اچھی تھی یا بُری...... مگر بعد میں کام بہت آئی...... یہاں ایک راز کی بات سن لیں...... تقریر کے بارے میں زیادہ مشورے وہ لوگ دیتے ہیں جو خود نہ تقریر کر سکتے ہیں اور نہ ہی اچھا بیان...... اسی طرح تحریر کے بارے میں بہت لمبے اور جذباتی مشورے وہ دیتے ہیں جو خود قلم پکڑنا نہیں جانتے...... ویسے زیادہ مشورے دینا، تجاویز دینا...... اور ہر جگہ دینا کوئی اچھی عادت نہیں ہے...... ہاں بُری عادت ضرور ہے...... اور اکثر ''بے عمل'' لوگ اس عادت میں مبتلا نظر آتے ہیں...... ہر کسی کے کان سے منہ جوڑ کر قیمتی مشوروں سے نوازنا وہ اپنا حق سمجھتے ہیں...... جبکہ خود کچھ بھی نہیں کرتے...... ایسے افراد جو اپنی پوری زندگی میں دس افراد کو منظم نہ کر سکے وہ امارت اسلامیہ افغانستان کو منظم ہونے کے مفت نسخے ،بہت فکر، درد اور یقین کے ساتھ دیا کرتے تھے...... اور بعض اوقات اُن کا انداز جارحانہ بھی ہو جاتا تھا...... اُن سے کون یہ کہتا کہ جناب ان نسخوں پر عمل کر کے آپ حضرت ملا محمد عمر حفظہ اللہ تعالیٰ سے بڑا لشکر خود کھڑا کر دیں...... اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی بے عملی اور بُری عادت سے بچائے...... اپنے سے بڑے اور اپنے سے کارآمد افراد کے پاس جب بھی جائیں تو دو کاموں کا التزام کریں...... پہلا یہ کہ جزوی عیوب کو نہ دیکھیں اور دوسرا یہ کہ مشورے برسانے کی بجائے کچھ سیکھنے کی کوشش کریں...... ایسا نہ ہو کہ آپ کسی مقبول بندے کے پاس جائیں اور پھر اس بات پر بدظن ہو کر واپس آئیں کہ...... وہ کیلا ہاتھ سے توڑے بغیر سیدھا منہ سے کھا رہا تھا...... یا اُس کے ہاتھ کی گھڑی آپ کے پسند والے ہاتھ میں نہیں بندھی تھی...... یا وہ تجوید میں کوئی معمولی غلطی کر رہا تھا...... شریعت نے بہت سے امور میں بہت وسعت دی ہے...... اور بہت سی غلطیاں ایمان اور عمل کے لئے مضر نہیں ہوتیں...... مگر

چونکہ جہاد سے دوری ہے تو لوگوں نے سلام کرنے اور ہاتھ ملانے کے طریقوں کو ہی حق و باطل کا معیار سمجھ لیا ہے

انا اللہ و انا الیہ راجعون...

تقریر کے میدان میں اُترے تو بہت مشورے ملنے لگے...... اچھے بھی اور فضول بھی...... بعض لوگ کہتے تھے آہستہ بولو...... اور بعض کا فرمان تھا زور سے بولو...... بعض کی رائے تھی کہ ٹھہر ٹھہر کر بات کرو...... بعض کا مشورہ تھا کہ روانی اختیار کرو...... تب اپنے شیخ اور مرشد سے یہ سیکھا کہ...... دین بیان کرو، اخلاص سے بیان کرو، اپنی اور مسلمانوں کی اصلاح کے لئے بیان کرو...... مسلمانوں کو فائدہ پہنچاؤ...... اور تقریر و بیان سے اپنی کوئی ذاتی غرض وابستہ نہ رکھو...... یہ بات دل کو لگی...... پورا عمل تو نہ ہو سکا کہ ناقص تھے، ناقص رہے اور تا حال ناقص ہیں...... مگر یہ مشورہ بہت مفید ملا...... مشورہ ایک نعمت اور روشنی ہے......

اگر کسی باعمل اور خیر خواہ کی طرف سے ہو تو صدیوں کا نچوڑ اور بڑی نعمت ہوتی ہے...... طلبہ کرام بھی استخارہ...... اور استشارہ یعنی مشورہ لینے کی عادت ڈالیں...... البتہ زیادہ، بے وقت، بے محل اور فضول مشورہ دینے کی عادت سے سختی کے ساتھ پرہیز کریں...... اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ بندہ نے ”جہادی تقاریر“ کیسے سنیں...... میرے پاس اس پر نور مقابلے کی ریکارڈنگ پہنچی...... کاش وقت ہوتا تو سب کو پورا سنتا...... مگر پھر بھی کافی سنا اور تسلّی ہوئی کہ اگلی نسل ماشاء اللہ بہت باصلاحیت اور آبدار ہے...... آج کے رنگ و نور سے ہمارے کئی قارئین کو بھی ان تقاریر کے سننے کا شوق پیدا ہوا ہوگا...... چلیں ایسا کرتے ہیں کہ دس بارہ اہم تقاریر کو چھانٹ کر ایک کیسٹ تیار کروالیتے ہیں...... یا پھر میموری کارڈ...... اور یوں آپ بھی ان ابھرتے ہوئے داعیان جہاد کے علم اور جذبے سے فیض یاب ہو سکیں گے...... یہ خیال آج ہی آیا ہے تو اب کسی کے ذمہ یہ کام لگا دیا جائے گا...... اور انشاء اللہ آٹھ دس دن میں آپ ایمانی جذبوں سے معمور...... پانچ تا سات منٹ کی یہ شعلہ فشاں تقاریر...... میری طرح گھر بیٹھے اپنے موبائل یا ٹیپ پر سن سکیں گے...... ویسے کئی موبائل ان تقاریر کو سنا کر خوش ہوں گے کہ...... آپ نے اُن سے اتنا اچھا کام لے لیا......

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اللھم صل علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

☆......☆......☆

جواب

محمد شعیب کہروڑپکا

وہ تینوں سر جوڑ کر بیٹھے کسی بہت ہی اہم معاملے کے بارے میں غور وخوض میں منہمک تھے، ان کی گول میز کانفرنس جاری تھی۔

چشمِ فلک نے دیکھا کہ اس کے سائے تلے جو میٹنگ جاری ہے تکون کی شکل وصورت دکھائی دے رہی ہے، لیکن دیدۂ کور (یک چشم) کیا جانے ان تینوں کی دلی کیفیت!

تکون کی صورت دکھنے والی تین رکنی ٹیم "تکون" ہی کی بربادی کا عزم لیے اجلاس کے نرم اور گرم پہلوؤں پر تبادلہ خیال کرنے میں مصروف تھی۔

کہتے ہیں کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں آج تو چھت بھی دیواروں کے ساتھ ملکر "جاسم" کا فریضہ انجام دے رہی تھی مگر ابھی تمام جاسوس بری طرح ناکام ہو چکے تھے۔ کیونکہ وہ تینوں کانفرس کے معاملات اتنی احتیاط اور رازداری سے سرانجام دے رہے تھے کہ خود ان کے کانوں کو خبر نہیں تھی۔

☆......☆......☆

دراصل بات یہ تھی کہ وہ تینوں اپنے اپنے شعبے کے اندر نہایت تندہی سے لگے ہوئے تھے، انہیں اپنے شعبے سے ہٹ کر سوچنے کا موقع ہی نہیں تھا۔ وہ تینوں ہی اپنے اپنے فن کے ماہر مانے ہوئے تھے۔ انہیں اسباب تعیش میں سے

ظلم کی ایک حد ہوتی ہے جب وہ حد سے بڑھنے لگتا ہے تو اس کا اختتام قریب ہونے لگتا ہے۔ پھر اچانک ایک دن مٹ جاتا ہے یا مدمقابل ایسا تھپڑ نما جواب دیتا ہے کہ ظالم کھسیانا ہو کر سر چھپانے لگتا ہے۔

کسی چیز کی کمی کی شکایت نہیں تھی۔ اس لئے وہ اپنے شعبے سے جدا ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے، کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اس پہلو پر کام کرنے کا سوچتے بھی اگر وہ واقعہ پیش نہ آتا جس نے ان تینوں کی آنکھیں کھول کر رکھ دیں۔

☆......☆......☆

ضرار احمد ایک کامیاب تاجر تھا۔ اس کے پاس آسائش کی ہر سہولت موجود تھی۔ دنیا کے ضابطے کے مطابق جن چیزوں کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ وہ تمام اس کے پاس بدرجہ کمال میسر تھیں، لیکن ایک چیز جسے ''سکون'' کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی تلاش میں بڑے بڑے سورما سرگرداں اور مارے مارے پھرتے ہیں ضرار احمد کی سدابہار زندگی سے مفقود تھی۔

وہ سوچتا تھا کہ آخر کس چیز کی کمی ہو سکتی ہے؟ مگر وہ سوچتا ہی رہ جاتا کوئی بات اس کے دل کو چھو کر نہ گزرتی پھر وہ مزید پریشان ہو جاتا، اسی بات کو سوچتے سوچتے وہ ہلکان ہوئے جارہا تھا کہ اچانک ایک شخص اس کی دوکان میں داخل ہوا اور یہ پہلی مرتبہ نہیں داخل ہوا بلکہ اکثر آتا ہی رہتا تھا اور اسے وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا مگر صرف نام کی حد تک کیونکہ آنے والے کا چہرہ ہمیشہ ماسک سے چھپا رہتا تھا، وہ ڈاکو نما شخص جیسے ہی اس کی دوکان میں داخل ہوا تو اچانک لاشعوری طور پر اس کا رویہ زہر آلود ہو گیا اور اس نے اس کو کھری کھری سنا دیں۔

یہ تو جب وہ دوکان سے باہر نکل گیا، اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ کیا ہو گیا؟

جس تنظیم کو بھتہ دیکر اپنا کاروبار چلایا جارہا تھا اسی کو ناراض کر دیا اور ''شر پسند تنظیم'' تو ہے ہی ''تابو تیوں کی'' اس کا دل دھک دھک کرنے لگا......

لیکن ساتھ ہی اس نے غور کیا کہ دل تھوڑی دیر کے بعد ہی معمول پر آگیا ہے اور ایک خاص قسم کی طمانیت اس کے قلب میں پیوست ہو کر رہ گئی ہے۔

اب اس کے ذہن میں آیا کہ یہی وہ چیز تھی جس کی کمی نے مجھے پریشان کیا ہوا تھا۔

اس کے بعد اس کا دل و دماغ پرسکون ہو گیا، اگرچہ کاروبار کے چلے جانے کی پریشانی ایک فطری تقاضا تھا مگر اسکا باطن بالکل بھی پریشان نہیں تھا۔ اس نے تھوڑی دیر کے بعد اپنے شوروم کے شٹر گرائے اور خود قریبی پارک میں ذہنی سرشاری کے لئے چل دیا۔ کیونکہ وہ شر پسند تنظیم سے ٹکر لینے کا مطلب خوب سمجھتا تھا، ماضی کے واقعات عبرت کے لئے سامنے تھے اور وہ مظلومین کے چہرے بھی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا پہلے تو اسے یہ سب سوچنے کا موقع کبھی نہیں ملا مگر اب سارا منظر اسکے سامنے کھل چکا تھا۔

اس نے عہد کرلیا کہ جو چیز جانی ہو گی چلی جائے گی، مگر میں کسی صورت ''شر پسند تنظیم'' کو سکون

کا سانس نہیں لینے دوں گا، جہاں تک بس میں ہو سکا اس کے خلاف خوب خبر لوں گا۔

''لیکن یہ سب ہو گا کیسے؟ اس کے لئے تو گہری منصوبہ بندی کی ضرورت بھی ہوگی۔'' وہ من ہی من میں بڑبڑایا۔

یہی سوچتے سوچتے اس نے باہر کا جائزہ لیا تو وہ پارک سے کافی دور نکل آیا تھا۔ اب یہاں آبادی ختم ہو کر ویرانہ شروع ہو چکا تھا جس کے اختتام پر ایک پہاڑوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ شاید کوئی اسے دیکھ رہا ہے وہ فوراً گھبرا سا گیا، مگر یہ گھبراہٹ وقتی ثابت ہوئی، اس نے جان لیا کہ جس راہ پر اب قدم رکھ لیا ہے جا بجا اس طرح کے واقعات سے سامنا ہوگا، اور ایسے خیالات و محسوسات ہر جگہ اسکا گھیرا تنگ کریں گی، مگر اسے خطرات سے نمٹ کر جینا ہوگا۔

یہی سوچ کر اس نے قدم آگے بڑھا دیئے، مگر اب احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ شاید چند لمحے پہلے کے مجاہد میں جہاد کی برکت سے توانائی عود آئی تھی اور اس کی تربیت بھی خود مالکِ دو جہاں فرما رہا تھا۔

ضرار احمد آہستہ آہستہ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے ہوئے چل رہا تھا کہ اچانک اس کے قدم بے اختیار ایک بوسیدہ سے مکان کی طرف اٹھ پڑے۔ مکان کیا تھا ایک کھنڈر اور بس...... مگر جب وہ اندر داخل ہوا تو حیران ہو گیا، کیونکہ اس کھنڈر میں وہ آیا تو اکیلا ہی تھا مگر داخل ہونے والے دو اشخاص تھے۔

☆......☆......☆

فراز ایک خوش قسمت نوجوان تھا جس میں پروردگار نے بے شمار صلاحتیں ودیعت کی تھیں۔ وہ انقلابی سوچ، عبقری ذہانت اور اعلیٰ ترین صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اس کی ذات میں بے پناہ خزائن و اسرار پوشیدہ تھے، لیکن ان تمام پر ایک عارضی پردہ پڑا ہوا تھا، شاید یہی وجہ تھی کہ وہ جو چاہتا تھا وہ کر نہیں پاتا۔ ہر کام وہ مکمل خود اعتمادی سے شروع کرتا مگر اس کا انجام کبھی درست نہ ہوتا۔ وہ یہی سوچ سوچ کر اپنے آپ کو ہلکان کیے ہوا تھا کہ اچانک ایک موڑ پر اس کے سوچنے کا انداز تبدیل ہو گیا۔

یہ کایا پلٹ واقعہ ایسا تھا کہ اس نے عماد الدین فراز کی رت ہی بدل دی اب اس کی صلاحیتوں کو نکھر کر سامنے آنے کا موقع بھی ملنے والا تھا۔

ہوا یوں کہ فراز نے الیکٹریکل انجینیر نگ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک ویزے کی درخواست دی مگر شر پسند تنظیم نے اپنی ازلی شقاوت کو بروئے کار لاتے ہوئے عماد الدین فراز کے ویزے کو محض مسلم ہونے کی بناء پر مسترد کرا دیا۔ یہی وہ موقع تھا جس نے فراز جیسے عبقری انسان کی سوچ اور فکر میں

طلاطم پیدا کر دیا اور اسے ایک عظیم انقلاب کے لئے تیار ہونے کا موقع فراہم کر دیا۔

فراز نے پہلی مرتبہ اس بنیاد پر فرق ملاحظہ کیا تھا کیونکہ یونیورسٹی کی فضاء میں رہتے ہوئے پڑھائی کی مشغولیت نے اسے کسی طرف متوجہ ہی نہیں ہونے دیا تھا۔ اب پہلی بار اس نے اس واضح ناانصافی اور ظلم کو دیکھا تو کڑھ کر رہ گیا۔ بے بسی نے اسے اندر تک توڑ کر رکھ دیا تھا۔لیکن وہ مایوس ہو کر بیٹھے رہنے والوں میں سے نہیں تھا، بلکہ اسکی سوچ نے باور کرایا کہ گھی سیدھی انگلی سے نہ نکل سکے تو ٹیڑھی انگلی سے بھی نکالا جاسکتا ہے اور اس کی طبیعت بغاوت کی طرف مائل ہوگئی (یہ تو بعد میں جا کر معلوم ہوا کہ جس کو بغاوت سمجھ کر اپنایا تھا ایک عظیم فریضہ تھا، جس سے امن کی فاختہ کی گودوں میں پلنے والے غافل تھے)

بہر حال! ارادے جتنے بھی پختہ ہوں اور عزم جتنا بھی بلند ابتدا میں ذہنی کوفت اور پریشانی تو ہوتی ہے اسی احساسِ محرومی اور درماندگی میں فراز ٹہلتا ہوا جارہا تھا کہ اسے کھنڈرات دکھائی دیئے، وہ اسی طرف ہی چلا آیا، وہ اس بات سے غافل تھا کہ قدرت خود اس کے پاؤں کھینچ کر کھنڈرات کی طرف لے جا رہی ہے۔ وہ بزغم خود ابھی ناکامی کے راستے پر چل رہا تھا مگر اسے کیا معلو کہ کامیابی اسی راہ پر ملنے والی ہے۔

وہ چند قدم آگے بڑھا تو ایک بوسیدہ سے مکان نے اسے اپنی طرف مائل کیا، اس کے وجدان نے سرگوشی کی کہ ”ساری زندگی فائدے کے کاموں میں صرف کی تو کچھ بھی حاصل نہ ہوسکا۔ آج عبث کام میں بھی مزہ دیکھ لیتے ہیں۔سنا ہے بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔“

اس کے ضمیر نے دل ہی دل میں اس خیال کی مخالفت کی مگر ساتھ ہی مکان کی طرف جانے کا پروگرام بنایا۔

وہ حیران تھا کہ ایک طرف عبث (بے فائدہ) کام سے نفرت اور ساتھ ہی مکان کو دیکھنے کا شوق! یہ عجیب امتزاج تھا، جو اس کی طبیعت میں پہلی مرتبہ جمع ہوا۔

اس نے مجبور ہو کر قدم مکان کی طرف بڑھائے اور یہ عین وہی لمحہ تھا جب دوسری طرف سے ضرار احمد بھی اس مکان میں داخل ہو رہا تھا، پہلے تو وہ دونوں ہی ٹھٹھکے مگر پھر وہ سنبھل گئے۔تھوڑی دیر تو وہ دونوں ایک دوسرے کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہے لیکن بالآخر غبارِ خاطر زبان کے راستے نکلا اور دونوں دل گرفتہ اشخاص کی ملاقات ہوئی تو ایک ہی سوچ ایک ہی فکر ،ایک ہی کڑھن ،ایک ہی درد، ایک ہی لائحہ عمل جمع ہوا۔انتقام اور انتقام کی آگ نے جذبات کو سلگایا تو دل ٹھہر گئے اور دونوں نے باہم دست و بازو بن کر ایک ہی مشن پر کام کرنے کا تہیہ کرلیا۔

ایک کے پاس دولت کا ذخیرہ تھا تو دوسرا انجینئرنگ کے ہیرے سے مالا مال تھا۔اب وہ دونوں مادی چیزوں کے ساتھ مادیت کے بت سے ٹکرانے کا سوچنے لگے لیکن اچانک انہیں کسی غیر مرئی قوت نے روک دیا۔شاید ان کی روحانی قوت ابھی اس مقام کو نہ پہنچی تھی کہ بغیر رہبر کے اکیلئے میدان میں اتر سکیں، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ پہلے ایک امیر کارواں ڈھونڈ لیا جائے اور رہبر کامل کا سہارا تلاش کیا جائے تاکہ جو کام ہو وہ بھی کمال درجہ کا اور دھمال ہوتو وہ بھی کمال کی۔

الغرض! اب انہیں تلاش تھی تو صرف اور صرف ایک کی جو تیسرا تھا مگر انمول تھا۔اس کے بعد ان کا پروجیکٹ مکمل ہو جانا تھا۔اب اس انمول ہیرے کی تلاش شروع ہوئی تو یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ راز راز ہی رہے اور وقت بھی تو کم تھا ورنہ یہ خود بھی تو روحانیت کے حصول کے لئے زانوئے تلمذ طے کر سکتے تھے مگر اب انہیں میدان کے اندر یہ سفر بھی طے کرنا تھا۔اسی تلاش اور تگ و دو میں چند دن ان پر پہاڑ معلوم ہوئے۔

مگر انہیں اس کی چنداں پروا نہیں تھی، ان پر تو اب ایک ہی دھن سوار تھی وہ تھی انتقام اور بس انتقام! اپنے مظلوم بھائیوں کی خون آلود لاشیں، کٹی پھٹی لاشیں، بے جان وجود، معصوم چہرے، لاوارث بہنیں، انہیں چین نہیں لینے دے رہے تھے کچھ ہی عرصے میں ''شر پسند تنظیم'' کے کارندوں نے ''شہر پاکیزہ'' کے باشندوں کے ساتھ وہ خون کی ہولی کھیلی تھی کہ ان کے سینے پر مونگ دلنے لگے۔جب سے ان کی حقیقی آنکھیں روشن ہوئیں تھیں ظلم کے اس گرم بازار پر انکا سینہ جلنے لگا تھا اور جلنے کی اس لو سے ان کی راتوں کی نیند اڑ چکی تھی۔

چند دن کے انتظار کے بعد بالآخر انہیں مقصود حاصل ہوگیا۔فیصل جسے ان کے شہید والد ''عبدالشہید'' کے نام سے پکارتے تھے، ان کا مقصود اور منظورِ نظر تھا۔

فیصل نے بچپن ہی مدرسہ کی چٹائیوں پر گزارا، لڑکپن بھی اسی کسمپرسی میں کاٹا لیکن اسکے باوجود اس کی شجاعت کو گھن نہیں لگا، اسکی بہادری میں فرق نہیں آیا بلکہ وہ مزید نکھر گئی اور مدرسہ کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے باطن کی ایسے صفائی ہوئی تھی کہ ضمیر کی غلط بات پر خاموش نہیں رہ سکتا تھا اور اس کا قلب و دماغ ایک ہوگیا تھا اور ظاہر و باطن کا فرق بھی مٹ کر ختم ہو چکا تھا۔

اب ان دونوں کے ساتھ ملکر جو خوشی ہوئی دیدنی تھی، وہ تو پہلے ہی سے مچل رہا تھا، اس نے ان دونوں کی ملاقات سے قبل بھی ''جہاد'' جیسے عظیم دینی فریضے سے سبکدوشی کی کوشش کی تھی، مگر یہ بعد میں عقدہ کھلا کہ جنہیں ایماندار سمجھ کر، وفادار سمجھ کر، جانباز اور جانثار سمجھ کر مقتداء بنایا تھا وہی سب سے

بڑے لٹیرے ثابت ہوئے، اسے جیسے ہی معلوم ہوا فوراغلامی حاصل کرلی، وہ بعد میں سوچتا تھا کہ اگر اسی حالت میں مرجاتا تو حرام موت آتی مگر نہیں! میرے مالک نے میرے مردار ہونے کا فیصلہ نہیں کیا تھا، پھر کونسی قوت مجھے یرغمال بنا سکتی تھی؟

خیر! جب وہ تینوں ملے اور ملکر متحد ہوئے تو فوراً سے پہلے ایک ٹیم تشکیل دے ڈالی جسکے روحانی و بانی پیشوا عبدالشہید فیصل، ضرار احمد اور فراز بالترتیب ناصر ومنصور قرار پائے۔ پہلا اجلاس اسی کھنڈر مکان میں منعقد ہوا، جس میں انہوں نے جہاد پر بیعت کی، اپنی زندگی کو داؤ پر لگانے کا فیصلہ کیا اور مستقبل کے بارے میں اہم فیصلے کیے۔

کمانڈر عبدالشہید نے، بیعت جہاد لیتے ہوئے کہا:

''دوستو! جہاد نام ہے آپریشن کا، جب بدن کے اندر فاسد مادے زورآور ہوجائیں اور خطرہ پیدا ہوجائے کہ اگر ان کا قلع قمع نہ کیا گیا تو دوسرے اعضاء کو بھی نقصان پہنچے گا تب اس مادے سے جان چھڑانا ضروری ہوجاتا ہے یہی حال جہاد کا ہے، اب جبکہ شر پسند تنظیم خراب ہو کر نقصان دہ ہو چکی ہے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ کائنات کے باقی حصوں کو ان کے شر سے بچایا جائے اور ان کا آپریشن کر کے ایک عظیم فتنے سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

محترم دوستو! دوسری بات یہ ہے کہ دین کے ہر عمل کی کوئی نا کوئی روح ہوتی ہے جہاد کی بھی روح ہے جسے ''اعلائے کلمۃ اللہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہم بھی اپنی کوشش کو اعلائے کلمۃ اللہ رب تعالیٰ کے سواء کوئی دنیاوی یا ذاتی غرض نہیں ہونی چاہیے۔

معزز ساتھیو! ایک تیسری چیز جسکے متعلق آپ حضرات کو آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ ہے فقہی رو سے جہاد کا تعارف۔

سب سے پہلے یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جہاد کی دو صورتیں ہیں۔

نمبر ا، حالت امن کے اندر اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کے لئے کفار کے علاقوں کی طرف اقدام کرنا، اسے اقدامی جہاد کہا جاتا ہے اور یہی جہاد فرض علی الکفایہ ہے یعنی امت کے چند افراد بھی اس کو کر رہے ہوں تو باقی حضرات کی طرف سے کافی ہوجائیں گے۔

نمبر ۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ باطل زور آور ہو کر مسلمانوں پر چڑھ آئے اور اللہ کی زمین کے اندر فساد برپا کرنا شروع کر دے، ظلم وستم کا بازار گرم کر دے تو اس صورت کے اندر اپنا اپنی قوم کا اور پوری امت کے افراد کا دفاع فرض عین ہوجاتا ہے، جس شہر یا ملک پر حملہ ہوا اس کے تمام افراد پر اور اگر وہ دفع کرنے سے عاجز آجائیں تو اس کے قریب والے مسلمان اور اگر وہ بھی عاجز

آجائیں تو ان کے قریب والے مسلمان اسی ترتیب سے سارے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

اسی کو دفاعی جہاد سے موسوم کیا جاتا ہے اس جہاد کے اندر نہ غلام کو آقا سے اجازت لینے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ بیوی کو شوہر سے بلکہ ہر ایک جہاد کے لئے نکل کھڑا ہو اور فتنے کے ختم ہونے تک برسرِ پیکار رہے یا یہ کہ وہ شہادت جیسے عظیم مرتبے پر فائز ہو کر حیاتِ جاودانی حاصل کر لے۔"

کمانڈر صاحب اپنی اصولی تقریر سے فارغ ہو چکے تو فراز اور ضرار دونوں کے چہرے سرشاری سے کھل چکے تھے، کیونکہ انہوں نے جہاد کو محض دنیاوی لحاظ سے ناگزیر سمجھتے ہوئے اختیار کیا تھا اب جب معلوم ہوا کہ یہ ایک مذہبی فریضہ بھی ہے تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

بہر حال! اب باقاعدہ طور پر ان کے کام کا آغاز ہو چکا تھا، کام کے حوالے سے جو منصوبہ تشکیل دیا گیا۔ اس کے تمام پہلوؤں سے جانچ پڑتال کے بعد ہر فرد اپنے ذمہ لگائے جانے والے کام میں جت گیا۔

وہ سبھی ریت کے اونچے نیچے ٹیلوں کو عبور کرتے ہوئے جلد از جلد مطلوبہ مقام تک پہنچنا چاہ رہے تھے۔ ان کی نگاہیں چاروں طرف گھوم کر حالات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ریت کے اس زرد سمندر پر گہرا سکوت طاری تھا۔ انہوں نے مطمئن ہو کر سامنے کی طرف دیکھا، ایک باریک سے خط کی شکل میں دکھائی دینے والی سڑک رفتہ رفتہ واضح ہونے لگی تھی اور جیسے جیسے اس دوطرفہ شاہراہ کے آثار واضح ہو رہے تھے ان کی چلن میں بھی احتیاط کا اضافہ ہو رہا تھا۔

جب وہ اتنا قریب آگئے کہ اب آسانی سے سب کچھ نظر آتا تھا تو انہوں نے ایک ٹیلے کے پیچھے پوزیشن لی اور سانس روک کر بیٹھ گئے، اسی اثناء میں انہوں نے دیکھا کہ شاہراہ پر جنوب سے ایک جیپ دوڑی چلی آرہی ہے۔ وہ فوراً سنبھل گئے انہوں نے نے دوربین لگا کر تسلی کی کہ واقعی یہ ان کا شکار ہے؟ اگلے لمحے ان کے چہرے پر دوڑنے والی مسکراہٹ نے ثابت کر دیا کہ یہی وہ شکار ہے جس کی خاطر صحراء کا یہ جاں گداز سفر انہوں نے طے کیا۔

رائفلوں پر ان کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی اور نالیوں کا رخ شاہراہ کے بالکل وسط میں تھا۔ جیپ فراٹے بھرتے ہوئے دوڑی چلی آرہی تھی اور پھر جیسے ہی وہ ان کے بالمقابل پہنچی تین گولیاں خاموشی سے صحراء کی فضاء کو چیرتی ہوئیں آگے بڑھیں اور اچانک ایک ڈرائیور اور ایک گارڈ کے دماغ میں سوراخ کر گئیں اور ایک جیپ کے اگلے ٹائر میں روشدان بنا دیا تھا۔

(باقی آئندہ)

محمد اسامہ

''جی ہاں بیٹو! پانچ دشمن ایسے چھپے رستم ہیں جو انتہائی سخت ہیں۔ان سے تیر وتلوار اسلحے سے مقابلہ ممکن نہیں۔ ان سے ایک۔۔۔

پانچ خفیہ دشمن

امی نے دیکھا تو بھانپ گئی فوراً سعد سے پوچھا۔

''بیٹا سعد! کیا بات ہے؟''

''جی اماں! کچھ نہیں بس ویسے میرا دوست حیدر...... حیدرر'' یہ کہتے ہی سعد رک گیا۔

''کیا ہوا حیدر کو؟؟'' امی نے چوکنا ہوتے ہوئے پوچھا۔

''نہ امی! ہوا تو کچھ نہیں، بس صبح سے کال اٹھا رہا نہ میسج کا جواب۔

''بیٹا! یہ بھی تشویش کی بات ہے بھلا؟'' تعجبانہ انداز میں امی نے کہا۔

''امی! وہ چند دن سے کچھ اپنی ہی سوچوں میں گم سم رہتا ہے۔

امی! نجانے کس کم بخت نے اسکے دماغ میں یہ بات گھسیڑ دی کہ تیرے پر جادو کے اثرات ہیں؟''

''کک کیا بیٹے! جادو کے اثرات؟''

یہ برسات کا مہینہ تھا۔چمکتے دمکتے سورج کے سامنے ہلکا سا ابر چھاتا۔دیکھتے ہی دیکھتے گرج چمک سے بارش برستی۔ندی نالے تو کُجا محلے گلیاں اور سڑکوں میں بھی پانی کے طوفان اُمڈ آتے۔

ایک دن سعد اپنے دوست حیدر کو بار بار کال اور میسج کر رہا تھا اور حیدر تھا کہ کال اٹھا رہا نہ میسج کا جواب دے رہا بار بار کی کوشش جب رائیگاں گئی تو سعد کا خوبرو چہرہ مارے تشویش کے زرد پڑ گیا۔

امی نے استفسار کیا۔
''جی اماں! جادو کے اثرات''
''بیٹا! خدا ہدایت دے اسے جس نے اس بچے پر یہ کر دیا۔
بیٹا سعد! اگر کوئی اثرات ہیں تب بھی کوئی پریشانی کی بات نہیں۔فوراً ان اثرات کو ختم کر دینا چاہیے اور ہاں یہ انتہائی آسان بھی ہے۔ یہ سنتے ہی سعد کا مرجھایا چہرہ کھکھلا اٹھا۔ جیسے بارش کے بعد دھوپ میں کلی کِھل اُٹھتی ہے۔''
''وہ وہ کیا؟امی! جلدی بتلاؤ!''
''بیٹا! آپ حیدر کو مسجد کے امام صاحب کے پاس لے جائیے!چند جمعے پہلے میں نے ان کا بیان سن رکھا ہے جسمیں وہ جادو کے اثرات اور جادو سے چھٹکارے کا طریقہ اور عمل بتلا رہے تھے''
''جی اماں! میں ابھی جاتا ہوں''
پل جھپکتے ہی سعد آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔
اگلے چند منٹوں حیدر کے گھر آ نمودار ہوا سانسیں اُکھڑی ہوئی، آنکھیں تیز تیز گھوم رہی کولھوں پر ہاتھ رکھے منتظر بیتاب نگاہیں۔
''بیٹے سعد! خیر تو ہے،،بہت جلدی میں لگ رہے ہو؟'' حیدر کے والد نے پوچھا۔
''جج جی!۔انکل! حیدر کہاں ہے؟''
''بیٹے سعد......!وہ سوچ سوچ کر مرے جا رہا ہے۔گھر میں سبھی اسکی وجہ سے ٹینشن میں ہیں،کیا کریں نہ اس کے پڑھنے میں دل لگ رہا، نہ گھر میں کسی سے بولتا ہے، نہ کچھ کھا پی رہا''
''انکل! پریشان نہ ہوں۔آج ہی سے وہ بہتر ہوگا۔ ان شاء اللہ دعا کیجیے اور اسے بولائیے ذرا جلدی سے''
''بیٹا حیدر......!!۔ارے بیٹا حیدر!
سعد آپ کی انتظار کر رہا جلدی سے نیچے آجاؤ''
ایک گرج دار آواز سے حیدر کے ابو نے آواز دی۔
سعد انکل جی سے باہر لان میں کھڑے ہو کر کچھ گفتگو میں مگن تھا۔ انکل جی کبھی سعد کی طرف دیکھتے اور کبھی سیڑھیوں کی سمت۔
آہستہ آہستہ کھسک کھسک کر چلتا ہوا حیدر نیچے آیا۔ اداس چہرہ لڑکھڑاتے قدم نحیف جسم جھکی آنکھیں اور آنکھوں کے گرد کالے ہلکے پڑے تھے۔اس کی حالت قابل رحم تھی۔ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے والد نے کہا۔
''بیٹا! سعد آپ کے علاج کی غرض سے آیا ہے۔اس کے ساتھ جائیے!''بس یہ کہنا تھا کہ اس کے والد اپنے کام میں مگن ہو گئے۔
''آئیے حیدر! کیسے ہیں......؟''
''سعد! کیا بتاؤں زندگی کا مزہ دوبھر ہوگیا ہے۔
اب میں ہوں کہ زندگی کی بازی ہار جاؤں شاید۔''
''ارے یار! ایسا کچھ نہیں آئیے محلے کے امام صاحب کے ہاں چلتے ہیں۔ وہی آپ کے

ان اثرات کا حل بتلائیں گے"

"ہاں! چلئے! وہ تو ساتھ ہی گلی میں ہیں"

چند ساعات میں امام صاحب کے ہاں پہنچ گئے۔ سلام مسنون کے بعد آنے کی غرض بتلاتے ہوئے سعد گویا ہوئے۔

"حضرت امام صاحب! ہم ساتھ والی گلی میں رہتے ہیں۔ نماز جمعہ آپ کی اقتدا میں ادا کرتے ہیں"

"جی چھوٹے میاں! میں جانتا ہوں آپ کے آباواجداد سبھی کو"

"امام صاحب! حیدر کو کسی روحانی عامل نے کہا ہے کہ آپ پر سحر کے اثرات ہیں، تبھی اچھے سے کھا پی سکتے ہیں نہ پڑھ لکھ سکتے اور جسم کو ایسا گھن لگا ہے دیکھ کر دہشت ہوتی اور ہاں امام صاحب! گھر میں انکل لوگ سبھی شدید پریشان ہیں۔ ہماری اماں نے کہا آپ نے کچھ دن قبل ایسا کوئی عمل بتلایا تھا جس سے یہ اثرات ختم ہوتے ہیں"

"جی ہاں بیٹو! پانچ دشمن ایسے چھپے رستم ہیں جو انتہائی سخت ہیں۔ ان سے تیر وتلوار اسلحے سے مقابلہ ممکن نہیں۔

ان سے ایک جادو یا اس کے اثرات ہیں۔ ممکن اس لیے نہیں کہ وہ سامنے نظر ہی نہیں آتے کہ ان سے دو دو ہاتھ ہوا جائے۔"

"وہ باقی چار کون سے ہیں ان سے بچنا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے امام صاحب!"، تعجب وتجسس کی گہرائیوں سے حیدر نے سوال داغا۔

"سنو حیدر!

(1) کوئی بھی مخلوق کسی بھی وقت نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اسکے شر سے بچنے کے لیے رب تعالیٰ کی پناہ مانگی جائے۔

(2) جب اندھیری رات ہو انسان باہر نکلے تو اسے کوئی بھی مخلوق نقصان دے سکتی بس اسے بچنے کے لیے بھی رب تعالیٰ کی پناہ مانگی جائے۔

(3) جادوگر سے بھی اللہ کی پناہ چاہی جائے وہ انسان کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

(4) حاسدین جب حسد پر اتر آئیں وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔

(5) لیتے ہی سعد جلدی میں بولا "شیطان"

......امام صاحب نے کہا۔

"جی ہاں سعد! انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے. جسکے معنی ہی سرکشی کے ہیں اور شیطان کا اصلی نام عزازیل ہے۔ یہ سنتے ہی دونوں کھلکھلا کر ہنسے۔ آج پہلی بار شیطان کا اصلی نام بھی سن لیا۔

"بیٹے حیدر! خوب سنیے! قرآن مجید کی آخری جو دو صورتیں ہیں جنہیں معوذتان یا معوذتین بھی کہا جاتا ہے"

"امام صاحب! وہ سورہ فلق اور سورہ ناس ہی ہیں ناں؟" سعد جلدی سے گویا ہوا۔

"جی برخوردار! وہی دو ہیں" امام صاحب نے کہا۔

''ان دو میں پانچ سخت دشمنوں کا ذکر ہے اور ہاں! ان کے نازل ہونے کا پس منظر بھی کچھ یوں تھا. جب لبید نامی ایک یہودی ملعون اور اسکی بیٹیوں نے جناب نبی اکرم ﷺ پر جادو کر دیا آپ ﷺ کو کبھی کوئی کام کیا نہ ہوتا تو آپ ﷺ کہتے کر لیا ہے اور طبیعت بجھی بجھی رہتی تھی''

یہ سنتے ہی دونوں حیران و ششدر رہ گئے کہ آپ ﷺ پر بھی کوئی بدنصیب ایسا کر سکتا ہے۔ فورًا سے سلسلہ کلام کاٹتے ہوا اسعد بولا۔

''اس سے بڑا بدبخت کون ہوسکتا ہے امام صاحب! جو آپ ﷺ پر ایسا کرے؟''

''جی بیٹا! یہود آپ ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے۔ وہ اسلام کی دعوت اور آپ ﷺ کو ٹھکانے لگانے کے درپے تھے جو ممکن کوششیں کر سکتے تھے وہ انہوں نے کیں۔ رب تعالیٰ نے ہر سازش کو ناکام بنا دیا انہیں منہ کی کھانی پڑی تو آپ ﷺ نے دعا کی، رب تعالیٰ نے یہ دو صورتیں نازل فرمائیں۔''

یہ سنتے ہی حیدر مسکرایا۔

'' کیا امام صاحب! ان دو سورتیں پڑھنے سے ہم بھی ٹھیک ہوں گے؟''

''کیوں نہیں بیٹے حیدر! ان دو سورتوں کو معوذتان یا معوذتین کہتے ہیں جس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دینے والی دو سورتیں۔

احادیث میں ان دو سورتوں کی بے شمار فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت عائشہ ؓ سے منقول ہے نبی اکرم ﷺ کو کوئی بھی بیماری پیش آتی آپ ﷺ انہیں پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے پورے جسم پر ملا کرتے تھے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے. حضور ﷺ ہر نماز کے بعد انہیں پڑھا کرتے تھے ایسے ہی آپ ﷺ رات کو سوتے وقت اور جاگتے وقت انہیں پڑھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

تو بیٹو! نتیجہ یہ نکلے کہ اگر ہم ان سخت ترین دشمنوں سے بچنا چاہتے ہیں تو نمازوں کے بعد، سوتے جاگتے ان سورتوں کی تلاوت کیا کریں۔''

☆......☆......☆

کوپن برائے ''وہ کون تھا؟''

نام: ....

ولدیت: ....

مکمل ایڈریس: ....

تعلیم: ....

جواب: ....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

"اگڑم بگڑم چھو منتر......" حذیفہ نے اپنے ہاتھوں کو گول گول گھماتے ہوئے منہ سے الٹے سیدھے الفاظ نکالے۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" امی نے اسے گھورا۔

"وہ......می پرانی عادت ہے نا۔" حذیفہ نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"اب ہمارا سب کچھ بدل چکا ہے۔" امی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

بارہ سالہ حسن اور دس سالہ صفیہ امی کی اجازت لے کر اپنے گھر کے بالکل سامنے بنے پارک میں کھیلنے اور پڑھائی کرنے کے لیے اکثر پہنچ جاتے تھے۔ پارک کا اندرونی منظر باآسانی گھر سے دیکھا جا سکتا تھا۔ تب ہی گھر والوں کو اطمینان رہتا تھا۔

آج بھی وہ دونوں بھی حسب معمول وہاں آئے ہوئے تھے۔

گھر سے نکلنے کی دعا پڑھنے کے علاوہ آیۃ الکرسی پڑھنا بھی ان دونوں کی عادت تھی۔ ان کو یہ سب ان کی امی نے سکھایا تھا۔ آج جانے کیسے وہ دونوں آیۃ الکرسی پڑھنا بھول گئے تھے۔ وہ دونوں کاندھوں پہ بستہ لٹکائے پارک میں داخل ہوئے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔

’’صفیہ! تم ایسا کرو ریاضی کا کام مکمل کرو۔ میں اردو کا مضمون یاد کر لیتا ہوں پھر مل کر تصویر بنا کر رنگ بھریں گے۔‘‘حسن نے بڑے بھائی ہونے کے ناطے بردباری سے کہا۔ اس کے ہاتھ میں سفید رنگ کا بڑے سائز کا موٹا کاغذ اور پانی میں گھولنے والے رنگ بھی تھے۔ ان دونوں کو ہی رنگوں سے کھیلنا پسند تھا۔ ماہ ربیع الاول کے حوالے سے مختلف رسالوں میں مقابلے ہو رہے تھے۔ ان دونوں نے بھی ایک رسالے کے تصویری مقابلے میں حصہ لینے کا سوچا تھا۔

’’ٹھیک ہے بھائی!‘‘ صفیہ نے خوشی خوشی رنگوں کی طرف دیکھا اور ریاضی کی کاپی کھول لی۔

کام مکمل کر کے ان دونوں نے جلدی جلدی سامان سمیٹ کر بستوں میں رکھا اور تصویر بنانے کی تیاری کرنے لگے۔

’’کیا بنانا چاہیے ہمیں؟‘‘

حسن نے صفیہ سے سوال کیا۔

’’مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا گنبد۔‘‘صفیہ نے اپنے ننھے ذہن کے مطابق جواب دیا۔ عموماً ماہ ربیع الاول کا خیال آتے ہی گنبد خضرا ہی ہر کسی کے ذہن میں آتا ہے۔

’’ہمیں کچھ الگ سوچنا چاہیے‘‘۔حسن نے ذہن پہ زور ڈالتے ہوئے کہا۔

’’جیسے......‘‘صفیہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

’’ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں آ کر ہر طرف روشنی کر دی تھی۔ ہم کیوں نہ ایک منظر بنائیں۔ دن اور رات کا۔ رات کا منظر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جہالت کا دور اور دن کا منظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد کا دور......‘‘حسن نے پیار سے اسے سمجھایا۔

’’درود شریف ......ہم دن والے منظر میں درود شریف بھی لکھ دیں گے پیارا سا صلی اللہ علیہ وسلم......ابھی وہ دونوں درخت کے نیچے باتیں ہی کر رہے تھے کہ ان دونوں کے پاس پڑی کتاب، جو حسن بستے میں رکھنا بھول گیا تھا۔ اچانک ہوا میں اڑی اور غائب ہو گئی۔

’’بھائی!‘‘ ڈر کے مارے صفیہ چلائی۔

حسن نے اٹھ کر آس پاس دیکھا مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ان دونوں نے جلدی سے سامان سمیٹا اور گھر کی طرف بھاگے۔

☆......☆......☆

’’ہاہاہا!‘‘ٹبوٹا جن ہاتھ میں کتاب لیے زوردار قہقہہ لگا رہا تھا۔

’’کیوں اتنا منہ پھاڑ کر ہنس رہے ہو؟‘‘ٹبوٹا کی امی نے اس کے سر پہ زوردار چپت رسید کی۔

’’اف......! اتنی زور سے مارتی ہیں‘‘ٹبوٹا نے اپنا سر سہلاتے ہوئے کہا۔

’’یہ کیا ہے ہاتھ میں۔‘‘ امی جنی نے اس کو

گھورتے ہوئے دیکھا۔

"انسان کے بچوں کی کوئی چیز ہے۔"

"تمہارے پاس کیا کر رہی ہے یہ چیز؟"

"ماں! انسانوں کی بستی سے آرہا ہوں۔ درخت کے نیچے دو بچے بیٹھے نظر آئے تو میرا دل کیا کہ ان کو تنگ کروں۔ تو ان کی یہ چیز اٹھا کر لے آیا۔ وہ دونوں ڈر کر ایسے بھاگے کہ......" ٹبو ٹا نے اتنا ہی کہا اور پھر زور زور سے ہنسنے لگا۔

"شاباش! تم میرا نام خوب روشن کرو گے۔" امی جنی نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ وہ دونوں جنات کی دنیا کے بُرے جن تھے۔ ان کا پسندیدہ مشغلہ انسانوں کو تنگ کرنا تھا۔

"کیا ہوا؟ کس بات پر اتنے قہقہے لگ رہے ہیں۔" ابھی وہ دونوں ہنس رہے تھے ٹبو ٹا کے ابو بھی وہاں آگئے۔ حقیقت جاننے کے بعد انہوں نے ٹبو ٹا کو شاباشی دی۔

☆......☆......☆

"بیٹا! آپ دونوں آیۃ الکرسی پڑھ کر گئے تھے؟" حسن اور صفیہ حال سے بے حال گھر میں داخل ہوئے تو امی ان دونوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہوگئی تھیں۔ ان دونوں کو پانی پلا کر، آرام سے بٹھا کر امی نے ان کی پوری بات سنی تو فوراً سے سوال کیا۔

"وہ......امی...... آج ہم باتوں باتوں میں بھول گئے۔" ان دونوں نے بیک وقت جواب دیا۔

"بیٹا! اللہ کی ہر طرح کی مخلوقات اس دنیا میں موجود ہیں۔ ان میں شر اور خیر بھی موجود ہے۔ شر سے محفوظ رکھنے کے لیے اللہ نے ہمیں اپنے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دعائیں بتائی ہیں۔ جن کو پڑھنے میں سراسر ہمارا فائدہ ہے۔"

"امی! میری کتاب......میرا کل اسکول میں ٹیسٹ ہے۔" حسن کا ذہن کتاب میں الجھا ہوا تھا۔

"بھائی! اللہ کی مخلوق لے گئی آپ کی کتاب...... اب وہ پڑھے گی۔" صفیہ نے معصومیت سے کہا تو امی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"ادھر کان لاؤ تم دونوں۔" امی نے کہا تو وہ دونوں جلدی سے ان کے قریب آئے۔

☆......☆......☆

"مجھے بھی تو دکھاؤ۔ یہ ہے کیا بلا؟" ابو جنی نے ٹبو ٹا کے ہاتھ سے کتاب جھپٹی۔

"یہ کدھر جا رہی ہے؟" کتاب ابو جنی کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اڑنے لگی۔

وہ تینوں ہی کتاب کی جانب لپکے۔

"ارے۔......" کتاب کسی طرح ان کے ہاتھ نہیں آرہی تھی۔

وہ تینوں حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کتاب ان کے آگے آگے اور وہ تینوں کتاب کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگے۔

کتاب اڑتے اڑتے پارک میں پہنچ گئی

تھی۔ حسن اور صفیہ پارک کے دروازے سے اندر کی جانب آ رہے تھے۔ ان کے ہونٹوں میں مسلسل جنبش ہو رہی تھی۔

''یہ بچے......'' بٹوٹا نے ان دونوں کو دیکھ کر پوری بات اپنے ماں باپ کو بتائی۔

''ڈرنا نہیں ہے ہمیں! ہم اللہ کی حفاظت کے حصار میں ہیں۔'' حسن نے کہا تو صفیہ کے چہرے پر خوف کچھ کم ہوا۔ ان دونوں کے ہونٹ پھر سے ہلنے لگے۔ وہ دونوں درخت کے آس پاس کتاب کو تلاش کرنے لگے۔

کتاب ایک دم ہی درخت کے پاس، اس ہی جگہ گری جہاں پر سے ٹبوٹا نے اٹھائی تھی۔

''الحمدللہ......'' کتاب کو دیکھ کر حسن نے کہا تو صفیہ بھی خوشی سے چلائی تھی۔

''صلی اللہ علیہ وسلم......صلی اللہ علیہ وسلم......صلی اللہ علیہ وسلم......بھائی......یہ تو سچ میں سب سے بڑا جادو ہے......'' وہ دونوں امی کے کہنے پر درود شریف پڑھتے ہوئے، کتاب ڈھونڈنے آئے تھے۔ جس کی برکت سے کتاب ٹبوٹا کے ہاتھ سے نکل کر ان تک پہنچ گئی تھی۔

''یہ کیا منتر پڑھ رہے ہیں؟'' ٹبوٹا نے نہ سمجھنے والے انداز میں اپنے امی ابو کو دیکھا۔

''یہ اپنے کے آخری نبی پر درود بھیج رہے ہیں۔ میں نے جب بھی اور جہاں بھی یہ منتر سنا ہے۔ وہاں میرا رکنا مشکل ہو گیا ہے۔'' ابو جن نے خوف سے کہا۔

''یہ تو پھر ہر منتر سے بڑا منتر ہو گیا'' ٹبوٹا نے اشتیاق بھرے لہجے میں کہا۔

''بیٹا! تم ان چیزوں سے دور رہو''۔ امی جنی نے اسے سرزنش کی۔

مگر ٹبوٹا کے ذہن پر یہ بات سوار ہو چکی تھی۔ اس نے ضد کر کے امی ابو سے اس منتر کے بارے میں جاننے کی خواہش ظاہر کی۔ اس منتر کو جانتے جانتے ہی ٹبوٹا اور اس کے والدین چند مہینوں بعد ہی مشرف بااسلام ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

''ٹبوٹا! اٹھو بیٹا! فجر کا وقت ہے۔'' ابو جن اسے اٹھا رہے تھے۔

''حذیفہ نام ہے میرے بچے کا......'' امی جن نے انہیں یاد دلایا۔

''ارے بھئی! پرانی عادت ہے ایک دم سے کیسے جائے گی۔'' ابو جن نے کہا۔

''صلی اللہ علیہ وسلم......!'' نیند نے جاگ کر حذیفہ نے درود پاک پڑھا تو امی ابو نے بھی مسکرا کر ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہا۔

☆......☆......☆

ٹیلے والی سرکار

> معمول کے مطابق وہ ایک دن کھانا اور لسی کا ڈول ساتھ لیے جا رہی تھی۔ اچانک ایک ویران جگہ پر ریت کے ایک بڑے ٹیلے سے ایک گیدڑ نمودار ہوا۔

عطاء السلام سحر

درختوں پر بیٹھے پرندے اپنی خوب صورت آواز میں چہچہا رہے تھے۔ سورج نکلنے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے کھیتوں کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"کیا کروں؟ طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ جوں جوں بگڑتی جا رہی ہے۔ پہلے تو میلوں تک سفر کرتے ہوئے تھکن نہ ہوتی تھی۔ اب تو چند قدم چلنے کے بعد پاؤں دو سو من کے لگتے ہیں" وہ منہ ہی منہ میں بڑ بڑاتے ہوئے چلا جا رہا تھا۔

"میں تو یہی کہوں گی جب تک آپ کی طبیعت سنبھل نہیں جاتی، زمین کسی مزارعے کے حوالے کر دو!" ساجدہ بیگم نے اکبر کو مخاطب کر کے کہا۔ وہ کھیتوں کا چکر لگا کر اب گھر لوٹ آیا تھا۔

"اچھا!!! کچھ کرتے ہیں"

اُس نے مختصر جواب دیا اور چار پائی پر لیٹ گیا۔ بستی میں اُن کا گھر فقط ایک کنال کے رقبے پر محیط تھا۔ باقی رقبہ، گھر سے تین میل کے فاصلے پر تھا جو کہ تیس بیگھے تھا۔ یہ جائیداد اُسے اپنے ماں، باپ کی اِکلوتی اولاد ہونے کے باعث وراثت میں ملی تھی۔ وہاں پر سبزیاں، چارہ، گندم اور دھان کی فصل اُگائی جاتی تھی۔

وہ خوش مزاج شخص تھا۔ غرباء و مساکین کے ساتھ دل کھول کر تعاون کرتا۔ اکثر تو وہ سنجیدہ رہتا، مگر! جب حس ظرافت پھڑک اُٹھتی تو محفل کو چار

چاند لگا دیتا۔ تمام حاضرین محفل ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جاتے تھے۔

"زاہد! آپ ایسا کرو کوئی دو، تین بندے تو ڈھونڈ لاؤ جو بطورِ مزارعہ میری فصل کی دیکھ بھال کریں" اکبر نے اپنی طبیعت کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے اُسے کہا۔

زاہد، گاؤں میں ہی رہائش پذیر تھا۔ وہ اکثر اجرت پر گاؤں والوں کے کام کر دیا کرتا تھا۔

"میں کوشش کرتا ہوں، پرسوں تک کوئی مل گیا تو لے آؤں گا" زاہد نے جواب دیا اور چل پڑا۔

اکبر گھر کے باہر بیٹھا شیشم کے درخت کی گھنی چھاؤں کا مزا لے رہا تھا۔

"اِس کا نام ہے فقیرا خاں اور یہ ہیں اکبر صاحب!" زاہد نے دعا و سلام کے بعد چارپائی پر بیٹھتے ہوئے دونوں کا آپس میں تعارف کرایا۔

"فقیرا خاں! بات یہ ہے کہ میرے دونوں گھٹنوں میں کچھ مسئلہ ہے۔ علاج معالجہ چل رہا ہے۔ میں اس بیماری کے باعث زیادہ دیر چل پھر نہیں سکتا۔ میں نے تیس بیگھے گندم بوئی ہوئی ہے۔ اُس کے پکنے تک اُس کی دیکھ بھال کرو۔ جگہ تمھیں زاہد دکھا دے گا۔

آپ اکیلے کریں یا پھر کوئی اور ساتھی بھی لے آئیں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ آپ جو معاوضہ طے کرو میں دینے کو تیار ہوں۔" اُس نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

فقیرے نے در در کا پانی پیا ہوا تھا۔ اُس نے صورتِ حال کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے کہا۔

"سب کام تسلّی بخش ہو گا۔ آپ بے فکر رہیں"

معاوضہ طے ہوا اور دونوں اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

دوسرے دن فقیرا زاہد کے ساتھ فصل پر جا پہنچا۔ ایک، دو ماہ تک تو اُس نے خوب محنت کی، مگر! بعد میں فصل کا اللہ ہی حافظ! اکبر کو امید تھی کہ اس دفعہ فصل کم از کم بیس، بائیس من فی بیگھہ پیداوار ہو گی۔ فصل پکنے تک اس کی طبیعت بھی کافی سنبھل چکی تھی۔ فقیرا اپنا طے شدہ معاوضہ لے کر چلا گیا۔ اُس کی نااہلی کی وجہ سے فصل مشکل سے پندرہ، سولہ من فی بیگھہ کے حساب سے حاصل ہوئی مگر اکبر درد کو عرق سمجھ کر پی گیا۔

"ساجدہ بیگم! دیکھا حال۔ اسی لیے تو میں اپنی فصل کے لیے مزارعے نہیں رکھتا بلکہ خود محنت کرتا ہوں۔ فصل بھی اچھی ہوتی ہے اور ورزش سے صحت بھی اچھی رہتی ہے" فقیرے کی مہربانیوں کو سامنے رکھ کر اُس نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔

اکبر کا معمول رہا کہ وہ صبح سویرے کھیتوں کی طرف نکل جایا کرتا۔ صبح کی نماز بھی وہیں جا کر ادا کرتا اور ضروری دیکھ بھال کر کے نو، دس بجے تک گھر لوٹ آتا۔ اب نئی فصل کاشت کرنے

کے لیے کھیت تیار کرنے تھے۔
"ساجدہ بیگم! آپ نے ایسا کرنا ہے کہ گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر دس بجے تک میرا کھانا وہیں کھیتوں میں پہنچانا ہے۔ آپ جانتی تو ہیں اب ہل چلانے کے لیے مجھے خوب محنت کرنی پڑے گی۔" اُس نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔
"ہاں ضرور! میں آپ کو کھلاؤں گی، مکھن کی خوشبو سے مہکتی ہوئی لذیذ روٹی" ساجدہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
اکبر صبح سویرے بیلوں کی جوڑی کو ہانکتا اور کھیتوں کی طرف نکل جاتا۔ ساجدہ بیگم بھی صبح کی نماز ادا کرتی، گھر کے کام کاج مکمل کر کے کھانا تیار کرتی اور کھیتوں کی طرف چلی جاتی تھی۔
گھر سے رقبے تک پہنچنے کے لیے جو راستہ تھا وہ شرقاً غرباً تھا۔ دائیں طرف سارے کھیت، بائیں طرف چھوٹے بڑے ریت کے ٹیلے تھے۔ بائیں طرف والا حصہ غیر آباد تھا۔
معمول کے مطابق وہ ایک دن کھانا اور لسی کا ڈول ساتھ لیے جا رہی تھی۔ اچانک ایک ویران جگہ پر ریت کے ایک بڑے ٹیلے سے ایک گیدڑ نمودار ہوا۔
"کدھر جا رہی ہو؟؟؟" گیدڑ صاحب نے اکڑتے ہوئے کہا۔
"میں اپنے شوہر کے لیے کھانا لیے جا رہی ہوں" اُس نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔
"ہاہاہا۔۔۔۔!!! ہم اِدھر بھوکے مر رہے ہیں، بڑی آئی کھانا پہنچانے والی! اِدھر رکھو ہمارا حصہ!" گیدڑ نے طنزیہ انداز میں کہا۔
اُس بے چاری نے ڈرتے ڈرتے کھانا نیچے رکھ دیا۔ گیدڑ نے تین روٹیوں میں سے دو ہڑپ کر لیں اور ساتھ آدھی لسی بھی چٹ کر گیا۔
"آہاہا! آج تو مزا آ گیا۔" اُس نے اُچھل کر کہا۔
"اب ذرا میری دُم پکڑ کر کھینچو تاکہ کھانا ہضم ہو جائے" وہ اکڑتے ہوئے بولا۔ اُس نے گیدڑ کی دُم کھینچی اور بقیہ روٹی اور بچی کھچی لسی اٹھا کر اکبر کے پاس جا پہنچی۔
اب ایک روٹی سے کہاں گزارا ہونا تھا۔ اس نے راستے میں پیش آنے والا واقعہ بھی بیان کیا، اکبر برداشت کر گیا۔ گیدڑ اپنی عادت سے باز نہ آیا۔ پھر وہ روز اضافی روٹیاں پکا کر ساتھ لاتی، مگر! اکبر کے لیے گیدڑ ایک روٹی ہی باقی چھوڑتا۔ ڈیڑھ، دو ہفتے تک تو اُنھوں نے برداشت کیا۔ جب دیکھا کہ یہ سلسلہ رکنے والا نہیں تو اُس کا حل ڈھونڈا۔ کھانا کھانے کے بعد ہاضمے کے لیے دُم کھینچوانا تو گیدڑ کی روزانہ کی عادت تھی۔
"بس! ایک دن دیر سے کھیتوں میں جانا پڑے گا۔ اس کا علاج میں کرتا ہوں، کل کھانا میں خود ہی لے کر جاؤں گا۔" اکبر نے بالآخر تنگ آ کر

ساجدہ بیگم سے کہا۔
صبح ہوئی تو اکبر نے نماز ادا کی، کچھ دیر چہل قدمی کے لیے باہر نکل گیا۔ کھانا وغیرہ تیار ہو چکا تھا تو اُس نے اپنی بیگم کے کپڑے پہنے اور چہرہ ڈھانپ لیا۔ ایک موٹا سا ڈنڈا بھی ساتھ کپڑوں میں چھپا لیا اور چل پڑا۔ گیدڑ تو پہلے سے ہی انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ ذرا قریب پہنچا تو گیدڑ مسکرانے لگا۔

"آئیے! آئیے! آپ ہی کا تو انتظار تھا۔ باعزت طریقے سے ہمارا حصہ نیچے رکھ دیجیے!" اُس نے اپنا حکم نامہ جاری کرتے ہوئے کہا۔ اکبر نے کھانا نیچے رکھ دیا۔ گیدڑ نے جی بھر کے کھانا کھایا اور ایک روٹی باقی رہنے دی اور آدھی لسی پینے کے بعد کہا۔

"اب دُم کھینچنے کے لیے میں روز تو نہیں کہہ سکتا، آپ خود بھی تو عقل مند ہیں ناں" یہ کہہ کر اپنی دُم اُس کے سامنے پیش کی۔ اُس نے گیدڑ کی دُم اپنے ہاتھ میں دو، تین بل دے کر اچھی طرح مضبوطی سے پکڑ لی۔

پہلے تو اُس کی فرمائش پوری کی پھر اپنے پاس چھپایا ہوا ڈنڈا نکالا اور خوب دل کھول کر اُس کی دُھلائی کی۔ گیدڑ کو ادھ مُوا کر دیا۔ اُس نے دل میں سوچا کہ فی الحال اِسے یہی خوراک کافی ہے۔ بچا کھچا کھانا اُٹھایا اور گھر کی راہ لی۔

"ساجدہ! کل سویرے کھانا آپ نے لانا ہے۔ امید ہے کہ سیٹھ صاحب اب دوبارہ نہیں آئیں گے" اکبر نے آستین کو اوپر چڑھاتے ہوئے کہا۔

صبح جب وہ کھانا لے کر گئی تو گیدڑ راستے پرسے ذرا ہٹ کے ایک اونچے ٹیلے پر بیٹھا دیکھ رہا تھا۔

"سیٹھ صاحب! اِدھر تو آئیے! آج آپ نے کھانا نہیں کھانا کیا؟"

ساجدہ نے تھوڑا قریب جا کر آواز دی۔

"نہیں! نہیں! مہربانی، آپ کا شکریہ! ابھی تک توکل والا کھانا بھی ہضم نہیں ہوا" گیدڑ نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔

وہ کھیتوں کی طرف چلی گئی اور اکبر کو سارا حال سنایا۔ دونوں ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

بس وہی دن تھا اُس کے بعد ٹیلے والی سرکار کی دوبارہ کبھی زیارت نصیب نہ ہوئی۔

☆......☆......☆

برداشت

زبان دراز لوگوں سے ڈرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔
وہ تو شور ڈال کر اپنی بھڑاس نکال لیتے ہیں لیکن ڈرو!
ان لوگوں سے جو سہہ جاتے ہیں کیونکہ وہ معاملہ اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ جہاں ناانصافی کی گنجائش نہیں ہوتی وہاں دیر ہے اندھیر کبھی نہیں۔

محمد احمد

اثر پڑتا ہے

قاصد ترابی

عثمان باقر نے اپنے لیپ ٹاپ پر آفس کا باقی ماندہ کام مکمل کر کے جیسے ہی دیوار گیر گھڑیال کی طرف دیکھا وہ چونک گئے عصر کی اذان میں صرف پانچ منٹ باقی تھے. جلدی سے اپنا کام محفوظ کیا اور لیپ ٹاپ بند کرتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔انھیں مسلسل کام کرتے ہوئے وقت کے تیزی سے گزر جانے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔وہ ایک نجی کمپنی میں آفیسر تھے۔کمپنی میں سینکڑوں نئے ملازموں کی شمولیت نے ان کے کام کو سو سے ضرب کر دیا تھا۔آج دوسرا ہفتہ تھا کہ وہ روزانہ آفس کا بچ جانے والا کام گھر آکر نمٹا رہے تھے۔

وہ سرعت سے اٹھے اور اپنے دس سالہ بیٹے ابوہریرہ کو نماز کے لیے اٹھایا جو اسکول سے آتے ہی بستر پر سکون پر ڈھے گیا تھا۔

دونوں نے نل پر وضو کیا اور اگلی گلی کے نکڑ پر واقع جامع مسجد کی طرف چل پڑے۔

عثمان صاحب اس مسجد میں فی سبیل اللہ مؤذن تھے اور آفس کے بعد ان کا تمام تر وقت مسجد اور نمازیوں کی خدمت و

وہ بہکتا چلا گیا، اس کے دل سے غلط کام کرنے کا خوف ختم ہو چکا تھا۔اس نے خود کو دھوکہ دینا شروع کر دیا۔حالانکہ وہ فطرتاً ایسا نہیں تھا۔

سہولت میں صرف ہوتا تھا۔عصر کی نماز پڑھ کروہ مسجد سے باہر آئے تو ابو ہریرہ ان کے ساتھ نہ تھا۔انھوں نے گمان کیا کہ کسی حاجت یا ضروری کام کے باعث جلدی سے گھر بھاگ گیا ہوگا۔

گھر پہنچ کر جب اسے نہ پایا تو بیگم کو ہانک لگائی۔وہ اس وقت کچن میں چولہے پر کھڑی تھی۔

''صفیہ بیگم!ابو ہریرہ نظر نہیں آرہا تم نے بھیجا ہے کیا اسے کسی کام سے باہر؟''

''عثمان صاحب کمال کرتے ہیں آپ بھی!! بھلا مجھے کیا معلوم ہوگا؟وہ آپ کے ساتھ ہی تو گیا تھا نماز پر اور نماز پڑھ کر آپ دونوں ساتھ ہی تو آتے ہیں''وہ قدرے ناراضی سے بولیں۔

''ارے ہاں ہاں بیگم!نماز پر تو وہ میرے ساتھ ہی گیا تھا لیکن مسجد سے وہ معمول کے مطابق میرے ساتھ نہیں نکلا۔پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے لڑکا؟''

یہ پہلی بار ہوا تھا اسی لیے وہ اضطراب میں آچکے تھے۔صفیہ بیگم نے ان کی فکر دور کرنے کو ڈھارس بندھائی:

''ارے وہ دو سال کا بچہ تھوڑی ہے جو آپ یوں پریشان ہونے لگے۔گیا ہوگا کسی کام سے آجائے گا تھوڑی بہت دیر میں۔آپ پریشان نہ ہوں۔چائے بن گئی ہے۔آپ کمرے میں چلیں میں لاتی ہوں''۔

عثمان باقر صاحب بادل نخواستہ کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

نجانے کیوں ان کا دل ڈوبے جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

اتوار کا دن تھا۔ابو ہریرہ ظہر نماز پڑھ کر مسجد سے واپس گھر جا رہا تھا کہ تبھی اسے کسی نے پکارا

''اوئے مولوی کے بیٹے!!ادھر آ ذرا''

سامنے میدان میں محلے کے چند اوباش اور شرارتی بچے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنی طرف بلا رہے تھے۔

حالانکہ اس کے ابو نے اسے ان بگڑے ہوئے اور بے مہار اونٹ کی طرح آوارہ بچوں سے ہمیشہ دور دور رہنے کی تلقین اور نصیحت کی تھی اور ابو ہریرہ بھی کبھی ان سے ملنے جلنے کی کوشش نہ کرتا تھا مگر آج جب انھوں نے اسے بلایا تو وہ بغیر کچھ سوچے ان کے پاس جا پہنچا۔

''کیوں بھئی؟ نہ تم گھر سے نکلتے ہو،نہ کسی سے ملتے ہو،نہ کہیں بیٹھتے اور نہ کسی سے کھیلتے ہی ہو،کیا تم لڑکی ہو جو ایسا کرتے ہو؟''

ان میں سے ایک نے چٹخارے لیتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''اگر لڑکی ہوتا تو نماز پڑھنے مسجد آتا کیا؟ گھر پر امی کے ساتھ نہ پڑھ لیتا؟''ابو ہریرہ نے معصومیت سے جواب دیا تو سب شریر بچے تالیاں پیٹ پیٹ کر خوب ہنسے۔اچانک ایک بولا:

''ارے واہ تم تو بڑے عقل مند ہو یار!واقعی

میں تو تمھیں مان گیا بھئی" اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"ارے کاہے کا عقل مند؟ عقل مند ہے تو اسے بولو ہم سے لڈو میں جیت کر دکھائے تو مانیں کہ یہ کتنے پانی میں ہے"۔ دوسرے نے بھی اسے گھیرنے میں اپنا حصہ ملایا۔

ابو ہریرہ کبھی اپنی بہنوں کی شادی سے پہلے ان کے ساتھ لڈو کھیلتا رہا تھا۔ وہ یوں لڈو کی چالوں ، چالاکیوں اور چال بازیوں میں اچھی مہارت رکھتا تھا۔ بھائی بہنوں کی اکثر ہار جیت کے موضوع پر تو تو میں میں ہو جاتی تھی۔

ایک دن عثمان صاحب نے انھیں لڑتے دیکھا تو تنگ آ کر لڈو ہی پھاڑ ڈالا اور دوبارہ گھر میں لڈو کھیلنے پر پابندی اور بندش کی دیوارِ چین تعمیر کر دی۔

ابو ہریرہ کے اندر چند مہینے پہلے سو جانے والا لڈو کا کھلاڑی آج جاگ گیا تھا البتہ والد کو معلوم ہو جانے کے خوف سے وہ خاموش کھڑا رہا:

"ارے دوستو دیکھو! یہ تو بے وقوف کے ساتھ ساتھ ڈرپوک بھی ہے ارے کہیں خوف سے شلوار نہ گیلی ہوگئی ہو اس کی"۔

ایک نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا تو سب بچے گلا پھاڑ پھاڑ کر ہنسنے لگے۔ یہ سن کر ابو ہریرہ کو جوش آگیا!!

"ٹھیک ہے، لے آؤ لڈو، آج تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کتنے بیس کا سو ہوتا ہے"۔ ابو ہریرہ نے چیلنج قبول کر لیا۔

آج صبح سے عثمان صاحب اتوار کی چھٹی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے بھائیوں سے ملنے حیدرآباد گئے ہوئے تھے۔ اسی موقع کا فائدہ ابو ہریرہ نے بھی اٹھایا تھا اور چیلنج قبول کر لیا تھا۔

ان کے درمیان عصر نماز تک پانچ مقابلے ہوئے اور ایک کے علاوہ سب میں ابو ہریرہ نے ہی میدان مارا۔

"واہ یار! مان گئے تمھیں، خوب کھیلے" ایک نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

ادھر ابو ہریرہ بھی خوب خوب لطف اندوز ہوا تھا اگر اسے اپنے ابو کا خوف نہ ہوتا تو وہ عشاء تک کھیلتا رہتا۔

"بہت مزہ آیا-اب میں چلتا ہوں-ابو بھی آنے والے ہونگے۔کل عصر کے بعد پھر کھیلیں گے لیکن ایسی جگہ جہاں ابو نہ دیکھ پائیں"۔ ابو ہریرہ کا لہجہ خوشیوں اور مسرتوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر محسوس ہو رہا تھا۔

"نہیں! کل ہم لڈو نہیں بلکہ تاش کھیلیں گے لڈو تو ہم نے بس تمھاری خاطر کھیلا تھا" وہ گاہے گاہے اسے پھانس رہے تھے۔

"پر مجھے تو تاش نہیں آتی کھیلنی، میں کیسے کھیل پاؤں گا؟" ابو ہریرہ افسردہ ہو گیا۔

"ارے تم رنجیدہ کیوں ہوتے ہو؟ اب ہم تمہارے پکے دوست ہیں۔ہم تمھیں سکھا دیں گے۔

خوب تفریح والا کھیل ہے یہ بھی۔ دیکھنا خوب مزہ آئے گا"ایک بچے نے اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے اعتماد میں لیتے ہوئے کہا۔ وہ بڑی آسانی سے اپنی کارستانیوں میں کامیاب ہوتے جارہے تھے۔

اگلے دن کے لیے اک مخصوص جگہ طے پا گئی۔ابو ہریرہ نے ذہن بنایا کہ وہ عصر کی نماز پڑھ کر چھپتے چھپاتے ابو سے آنکھ بچاتے تاش کھیلنے نکل جائے گااور واپس آ کر ابو کو کچھ بھی بول دے گا۔

☆......☆......☆

وہ مغرب کے بعد گھر میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی،والدین کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ ایک ہم جماعت دوست نے اسکول میں اس سے شام تک کے لیے یہ کتاب لی تھی،بس وہی لینے گیا تھا اور وہیں نماز مغرب پڑھنے کی وجہ سے اسے آنے میں دیر ہوگئی حالاں کہ اس نے نماز پڑھی ہی نہیں تھی۔

یہ کتاب والابہانہ بھی ان لفنگے بچوں نے ہی اسے پڑھایا تھا اور ثبوت کے طور پر ایک کتاب بھی اسے تھمادی تھی جسے ابو ہریرہ یہ دیکھے بغیر ہی اٹھالایا تھا کہ یہ کتاب درجہ پنجم کی ہے اور وہ خود درجہ چہارم میں پڑھتا ہے۔عثمان صاحب نے جب اس کے جانے کے بعد میز پر رکھی چہارم کی کتاب دیکھی تو تشویش میں پڑ گئے اور اس کا ذکر انھوں نے صفیہ بیگم سے بھی کیا۔

ہر ماں کی طرح اولاد کے لیے نرمی کا درس لیے اور احتیاط کا دامن تھامے ہوئے وہ بولیں"یہ پہلی دفعہ ہوا ہے ہمیں اس بار نظرانداز کردینا چاہیے ورنہ زیادہ ڈانٹ ڈپٹ سے بچہ باغی ہو کر ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گا"۔

عثمان صاحب کو نہ چاہتے ہوئے بھی صفیہ بیگم کے اس مشورے پر سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

☆......☆......☆

ابو ہریرہ نے رفتہ رفتہ لڈو کی طرح تاش میں بھی اپنا سکہ بٹھالیا تھا،وہ اسکول سے آتااور تازہ دم ہو کر کھانا کھاتا۔ اس دوران میں اہل خانہ گھوڑے بیچ کر سوچکے ہوتے اور وہ احتیاط سے دبے قدموں گھر سے باہر نکل جاتا۔دو گھنٹے تاش اور آوارہ گردی کرکے واپس گھر لوٹ آتا جبکہ گھر والے ابھی تک سو رہے ہوتے۔

اب وہ اپنے گروہ کے ساتھ مل کر دوسرے گروہوں کے خلاف ہزاروں روپے کی شرط پر کھیلنے لگا چوں کہ وہ حصہ نہ دیتا تھا تو اسے کچھ ملتا بھی نہ تھا۔بس جیت کی خوشی میں اسے کسی اچھے ہوٹل پر کھانا کھلا دیا جاتا۔

☆......☆......☆

وہ کوئی رات دس بجے کا وقت تھا جب عثمان صاحب کی آنکھ کھلی اچانک ان کی نظر ابو ہریرہ

کے بستر پر پڑی تو وہ دھک سے رہ گئے۔ بستر خالی تھا پھر ان کا دھیان غسل خانے کی طرف گیا لائٹ جل رہی تھی اور چلتے شاور کا پانی شور پیدا کر رہا تھا۔

انھوں نے نظر پھیری تو دیکھا کہ صفیہ بیگم بھی اپنے بستر پر محو آرام ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی اور وہ یہ سوچ کر تسلی سے سو گئے کہ ابو ہریرہ تو غسل خانے میں نہا رہا ہے حالاں کہ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا بیٹا کمال ہوشیاری سے غسل خانے کی لائٹ اور شاور کھول کر کب کا باہر کی طرف پرواز بھر چکا ہے۔

☆......☆......☆

اگلی صبح عثمان صاحب ابو ہریرہ کو نماز فجر کے لیے جگاتے رہے وہ ہوں ہاں کرتا اور پھر سو جاتا۔

عثمان صاحب جب نماز سے فارغ ہو کر آئے تو ابو ہریرہ کو اب تک سوتے دیکھا اور پھر وہ اسکول جانے سے صرف پندرہ منٹ قبل اٹھا۔ اس سے پہلے وہ اتنی دیر تک کبھی نہیں سویا تھا پھر یہ تقریباً ہر روز کا معمول بن گیا۔

عثمان صاحب ابو ہریرہ کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہے تھے کہ ایک دن یوں ہوا کہ ابو ہریرہ کے اپنے ہی گروہ کا ایک بچہ عثمان صاحب سے ملا، دراصل اس کی ابو ہریرہ کے ساتھ کسی بات پر منہ ماری ہو گئی تھی، اس نے عثمان صاحب کو ابو ہریرہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا کہ وہ کس طرح دوپہر کو چھپ چھپ کر ہمارے پاس آتا ہے اور کس طرح رات کے ایک ایک بجے تک ہمارے ساتھ روڈ رستوں پر آوارہ گردی کرتا ہے۔ اس نے عثمان صاحب کو ثبوت کے طور پر اس کی کچھ ویڈیوز بھی دکھا دیں۔

عثمان صاحب کی آنکھیں حیرت اور استعجاب سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اسی رات عثمان صاحب نے اس بچے کے تعاون سے ابو ہریرہ کو رنگے ہاتھوں آوارہ گردی کرتے پکڑ لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر سیدھا گھر لے آئے۔

☆......☆......☆

"بابا۔۔۔کیا ایک انسان ہونے کے ناتے میرا دل نہیں کرتا ہو گا کہ میں بھی گھر سے نکلوں، بچوں کے ساتھ کھیلوں اور تفریح کروں؟" ابو ہریرہ گھر پہنچتے ہی چیخ پڑا، یہ پہلا واقعہ تھا کہ وہ اپنے باپ کے سامنے قینچی کی طرح زبان چلا رہا تھا۔

عثمان صاحب ایک سمجھ دار، دور رس اور زمانہ شناس آدمی تھے، وہ جوش کے بجائے ہوش کا دامن تھامتے ہوئے بولے:

"بیٹا، ہم نے تو کبھی آپ کے پیروں میں کھیل کود اور تفریح نہ کرنے کی زنجیریں نہیں ڈالیں، ہم تو بس یہ کہتے ہیں کہ آپ بری صحبت اختیار نہ کریں، برے اور لفنگے بچوں کے ساتھ نہ کھیلیں۔"

"کیوں؟ کیا وہ انسان نہیں جو ان کے ساتھ کھیلنا منع ہے؟" لہجے میں بے رخی کی آمیزش تھی۔

"بالکل انسان ہیں مگر۔۔۔ اچھے انسان نہیں ہیں اگر ہمیں خود کو گناہوں اور برے کاموں سے بچانا ہے تو برے دوستوں سے بچنا ہوگا"

عثمان صاحب نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اگر وہ ہمیں برے کاموں اور گناہوں کی دعوت نہ دیں تب بھی؟ ابوہریرہ نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔تب بھی! کیونکہ صحبت میں کشش ہے، وہ جلد اثر کرتی ہے۔کہاوت مشہور ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔

بچھو کسی دشمنی کی بناء پر ڈنک نہیں مارتا بلکہ یہ تو اس کی فطرت ہے اگر برے دوست گناہوں اور برے کاموں کی دعوت نہ دیں تب بھی ان کے ساتھ رہنا خواری اور دنیا و آخرت کی بربادی ہے" عثمان صاحب بڑی ہی محبت اور شفقت سے سمجھا رہے تھے تبھی ابوہریرہ کے لہجے میں واضح فرق آ گیا تھا، اس نے نرم لہجے میں پوچھا:

"وہ بھلا کیسے؟" آواز میں تجسس تھا۔

"آدمی کی پہچان اس کی صحبت سے ہوتی ہے، چوروں کی صحبت میں رہنے والے شخص کو لوگ چور ہی سمجھتے ہیں چاہے اس نے کبھی کسی کا ایک روپیہ نہ چرایا ہو اور نمازیوں کی صحبت میں رہنے والے کو لوگ نمازی ہی سمجھتے ہیں چاہے وہ عید کی نماز ہی نہ پڑھتا ہو۔عجب نہیں کہ چوروں کے ساتھ رہنے والا چور بن جائے اور نمازیوں کے ساتھ وقت گزارنے والا پانچ وقت کا نمازی کیونکہ نیک انسان کی صحبت انسان کو نیک بناتی ہے اور برے انسان کی صحبت برا بناتی ہے۔

ہر دوست اپنے دوست کی نمائندگی کرتا ہے لہذا بری صحبت سے دور دور بھاگنا چاہیے کیونکہ ایک دن بری صحبت میں بیٹھنے والا نیک آدمی بھی ان کے ہی جیسا ہو جائے گا۔

ہر نیک انسان پر واجب ہے کہ وہ برے دوستوں سے بچے اور ان سے اپنے تعلقات ختم کر دے یا کم از کم ان کے آس پاس نہ پھٹکے۔دکھی انسان کو دیکھ کر دکھی ہو جانا اور مسکراتے کو دیکھ کر مسکرا اٹھنا، خوشبو کی دکان پر بیٹھنے سے خوش بو آنا اور کوئلے کی دکان پر بیٹھنے سے ہاتھ، منہ اور کپڑے کالے ہو جانا صحبت کے اثر کی آسان مثالیں ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نیک اور برے دوست کی مثال مشک اٹھانے والے اور بھٹی سلگانے والے کی طرح ہے۔ مشک بردار یا تو تمھیں (مشک) کا تحفہ دے گا یا تم اس سے خریدو گے یا پھر تمھیں اس سے خوش بو آئے گی جبکہ بھٹی سلگانے والا یا تمھارے کپڑے جلائے گا یا تمھیں اس سے ناگوار بو آئے گی۔"(بخاری، مسلم)

(بقیہ 75 پر)

شہیدِ غزوۃ الہند رحمۃ اللہ علیہ

وہ سیماب فطرت، وہ بیدار طلحہؒ
وہ شوق شہادت سے سرشار طلحہؒ

وہ محراب و منبر کی زینت کا باعث
وہ حسنِ خطابت کا شاہکار طلحہؒ

وہ عالم، مجاہد، بہادر بلا کا
وہ تھا دین حق کا وفادار طلحہؒ طلحہؒ

وہ بے خوف، دیوانہ، حق کا فدائی
وہ میداں میں جرات کی للکار طلحہؒ

ہوں کیوں نہ شہادت پر رقصاں براہمن
تھا کفار پہ ننگی تلوار طلحہؒ طلحہؒ

معوذؓ، معاذؓ، ابن قاسمؒ پہ تیار طلحہؒ
وہ ہر دم محاذوں پہ تیار طلحہؒ

کہا اس نے جو پورا کرکے دکھایا
وہ ہمت کا بے مثل کردار طلحہؒ طلحہؒ

سپوت ایسے کم کم ہی جنتی ہیں مائیں
شجاعت، ذہانت کا معیار طلحہؒ

بہت سی حسین نسبتوں کا امین تھا
کمالات میں در شہوار طلحہؒ

وہ جنت کا باسی، وہ حوروں کا دلہا
وہ زاہد وہ دنیا سے بیزار طلحہؒ

نہ تھا آشنا عیش فانی سے انور
وہ جنت کا ہر دم طلبگار طلحہؒ

یوم شہادت: 17 صفر المظفر 1440 ہجری بمطابق 6 نومبر 2017

انتخاب: عروہ بن زبیر

ان کے لیے بھی کوئی بشارت مولا
خوابوں کے سوا جن کو میسر کچھ بھی نہیں

''ثاقب! آخر کب تک۔۔۔؟
میری بیٹی کو وہ چیزیں لادیں نہ جن کو خواہش وہ کر رہی ہے۔

''روبینہ! تم جانتی تو ہو۔حالات آج کل کیا چل رہے ہیں اور تم ضد کر رہی ہو،تم تو بچی نہیں ہو سمجھو اس بات کو۔''

''میں کیا کروں ہمارے حالات اس کی اجازت نہیں دیتے اور اوپر سے یہ مہنگائی،آخر تم بتاؤ میں کیا کروں؟''

اتنے میں وانیہ دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی ساری باتیں سننے اور سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

پچھلے چند سالوں سے وہ یہی بات سنتے آ رہی تھی۔

وانیہ 14 سالہ ایک خوبصورت سی لڑکی ہے جو اپنی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ساتھ ہی ایک عام لڑکی کی طرح خواب پالنے اور اپنی فرمائشیں پوری کرنے کی حامی تھی جیسے اس عمر کی ہر لڑکی چاہتی ہے اس کی ہر خواہش پوری ہو۔

وانیہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے بہت لاڈلی تھی۔

اسی وجہ سے اس کے والد اس کی ہر فرمائش کو پورا کرنے کی کوشش کرتے لیکن اب حالات

دن بہ دن تنگ ہوتے جارہے تھے۔
وانیہ کے والد ایک دیہاڑی دار مزدور اور والدہ ایک گھریلو خاتون تھی۔
شروع شروع میں تو گزارا چل جاتا تھا لیکن اب اس بڑھتی ہوئی مہنگائی نے ایک مزدور کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی اور وانیہ کی بھی ہر لڑکی کی طرح خواہش تھی کہ اس کے پاس بھی اچھے اچھے کپڑے ہوں، جوتے ہوں، گھر ہو اور اب جب کبھی اس کی کوئی چھوٹی سی فرمائش بھی پوری نہ ہوتی تو وہ اداس ہو جاتی کہ اب پہلے کی طرح سب کچھ کیوں نہیں ہے۔
ایک دن ثاقب کام سے لوٹ کر واپس گھر آ رہا تھا کہ روڈ کراس کرتے اس کی ٹکر ایک ٹرک سے ہوگئی اور وہ موقع پر ہی جان کی بازی ہار گیا۔
ثاقب کے گھر میں تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ وانہ تو یہ سب سمجھنے سے قاصر تھی کہ یہ سب اچانک سے کیسے ہوگیا۔
حالات اور بھی تنگ ہو گئے شروع شروع میں تو کچھ رشتے دار اور ہمسائے مدد کر دیتے تھے لیکن وقت گزرتے حالات اور تنگ ہو گئے اور وانیہ کی والدہ مزدوری کی غرض سے گھر سے باہر نکل گئی کہ اب گزارا مشکل ہو رہا تھا۔
وانیہ کی والدہ صبح کے وقت لوگوں کے گھروں میں جا کر کام کرتی اور شام میں سبزی منڈی میں جاتی، کچھ سبزی خریدتی اور گلیوں میں وہ بیچتی اور شام میں گھر لوٹتی۔
اس کے حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ وانیہ کو اعلیٰ تعلیم دلوا سکتی۔ وہ تو خود دو وقت کی روٹی کے لیے صبح سویرے اپنے گھر سے نکلتی اور شام ہوتے لوٹتی۔ زندگی کی گاڑی ایسے ہی چل رہی تھی کبھی اسے گھر کے کرائے کی پریشانی ہوتی تو کبھی بجلی اور پانی کے بل کی وقت اور حالات نے اسے بہت مجبور بنا دیا تھا۔
وانیہ اپنے سارے خواب بھول کر، ساری فرمائشوں کو ایک طرف رکھ کر اپنی مجبور، پریشان ماں کی مدد کرنا چاہتی تھی۔
اس کے ننھے ذہن میں بس یہی بات آئی کہ میں امی کے ساتھ کام پہ جایا کروں اور یہی سوچ کر وہ دوسرے دن اپنی امی کیساتھ رزق کی تلاش میں نکل گئی۔
ہمارے معاشرے میں 75٪ یہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔ آج ایک مڈل کلاس اور مزدور طبقہ اپنی ساری ساری زندگیاں وقف کر دیتے ہیں رزق کی تلاش میں انہیں پریشانیاں جینے نہیں دیتی، جیسے آج وانیہ اور اسکی والدہ ہیں۔
وانیہ اپنے آس پاس سے گزرتے لوگوں کو دیکھتی، اس کے دل میں بھی وہی فرمائشیں، خواہشیں جاگ جاتیں لیکن بہت سی چیزیں اس کے ننھے ذہن میں آتی اور وہ بس ایک عام مزدور کی طرح محنت کرتی اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتی اور شام

ہوتے ہی دونوں لوٹ جاتیں۔
لیکن اس شام کے ڈھلتے سورج کے ساتھ وانیہ کی بہت سی خواہشیں اندھیرے کی نظر ہو جاتیں۔
میرے حصے میں کتابیں نہ کھلونے آئے
خواہش رزق نے چھینا میرا بچپن مجھ سے
آج ہمارے معاشرے تو کیا پوری دنیا میں مزدوروں کا عالمی دن منایا جاتا ہے لیکن کیا جس کا دن منایا جاتا ہے وہ خود کیا اپنا دن مناتا ہے؟ کیا وہ کام سے چھٹی کرتا ہے؟
اسے تو اس کے حالات اجازت نہیں دیتے کہ وہ ایک دن بھی آرام کر سکے اسے تو بچوں کا پیٹ پالنے اور نہ ختم ہونے والی پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں وہ رزق کی تلاش میں نکلتا تو ضرور ہے اور جب کوئی رزق کی تلاش کے لیے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے نوازتا ہے۔
ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کونسی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''اپنی محنت کی کمائی''
محنت کرنے والا کوئی بھی انسان چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا محنت سے کمایا ہوا ایک نوالہ بھی کسی کے آگے ہاتھ پھیلا کر مانگے جانے والے ہزار نوالوں سے بہتر ہے۔
رزق حلال کمانے والا اور حلال کھلانے والا سب سے افضل ہے۔
ہمیں اپنے ارد گرد خبر رکھنی چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ کیا کوئی معصوم وانیہ جیسا جو رزق حلال کی تلاش کے لیے اپنی خواہشات کی قربانی تو نہیں دے رہا۔
ہمیں ایسے لوگوں کی مدد کرنی چاہیے حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور اپنے رزق کو بانٹنا چاہیے۔

❀❀❀❀

فقہ اور نحو کا مدفن

یہ ایک قدیم مکان ہے طہران کے جنوبی علاقے رے میں۔اندر مسلمانوں کے دو بڑے ائمہ مدفون ہیں۔
1.الامام محمد بن الحسن الشیبانی
2.الامام أبو الحسن علي بن حمزة الكسائي۔
عجیب بات دونوں کا ایک ہی دن انتقال ہوا۔
جس پر ہارون رشید نے کہا تھا:
دفنت الفقه والنحو بالري

دُرِّ ثمینہ وزیر

بقیہ: میں شرمندہ ہوں

مگر اتفاق سے صبح کو عبدالمالک کو نزلہ، زکام اور بخار ہوگیا۔ دو دن تک نہ وہ دکان پر آیا اور نہ ہی انکی خیریت پوچھنے ان کے گھر گیا۔ محمد شریف کو 2 دن تک کسی کو ستانے کا موقع نہ ملا۔ وگرنہ تو وہ عبدالمالک بیچارے کو ستاتا رہتا۔ دو دن تک اسے بھیک بھی نہ ملی۔

چوتھے دن عبدالمالک دکان آگیا۔ مگر پورا دن محمد شریف نظر نہ آیا۔ دوسرا پھر تیسرا دن اور پھر ایک ہفتہ گزر گیا کہ وہ بھکاری نظر نہ آیا۔ عبدالمالک کو تشویش سی ہوئی۔ اس نے لوگوں سے پوچھا تو معلوم پڑا کہ ہفتہ پہلے اس کا خطرناک ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔ اس کی بازو اور ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں تھیں اور اب وہ سرکاری ہسپتال میں زیر علاج ہے۔

عبدالمالک کو بے حد افسوس ہوا۔ وہ مسجد میں داخل ہوا۔ عصر کی نماز ادا کی اور نماز کے بعد اس نے ہاتھ اٹھا لیے۔

''یااللہ میں جانتا ہوں کہ یہ سب تیرے حکم پر ہوا ہے۔ وہ میری نماز خراب کرتا تھا، اسے اسکی سزا ملی ہے۔ یااللہ! اس دن بس میں نے غصہ میں آکر یہ سب کہا تھا۔ میں نے اسے معاف کیا ہے تو بھی معاف کردے۔ اسے صحت دے، اسے ہدایت دے''

وہ کافی دیر تک اس کے حق میں دعا کرتا رہا۔ پھر وہ اٹھا اور سرکاری ہسپتال کی راہ لی جہاں محمد شریف درد اور زخموں سے چور بے ہوش پڑا تھا۔ جسم کا کوئی ایک حصہ ایسا نہ بچا تھا جہاں پر زخم نہ آیا ہو۔ اسکی ماں، بیوی اور بچے رو رہے تھے۔ عبدالمالک نے اس کی حالت دیکھی تو اسے اس پر بے حد ترس آیا۔ اس نے اسکے بچوں، بیوی اور ماں کو دلاسہ دیا پھر اسے پرائیوٹ ہسپتال میں داخل کروایا۔ وہاں اسکا علاج ہو رہا تھا۔ وہ ہر روز ہسپتال آتا، ڈاکٹروں سے اس کی حالت کے بارے میں بات چیت کرتا۔ اسکی ماں اور بیوی اسے جھولی پھیلا کر دعائیں دیتے۔ عبدالمالک کے لیے یہ دعائیں بہت بڑی دولت تھی۔ کیونکہ بعض اوقات زندگی کے کسی موڑ پر کبھی کبھار دواؤں سے زیادہ دعاؤں کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ جو زندگی بدل دیتی ہیں۔

ایک مہینے تک اسکا علاج چلتا رہا۔ اب وہ بالکل صحتیاب ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر ایک دوروز میں اسے چھوٹی دینے والے تھے۔ اس حادثے نے اس کی دنیا ہی بدل دی تھی۔ اس حادثہ نے اسے

بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ کبھی کبھار اسے عبدالمالک بہت یاد آتا کہ اس نے اسے کتنا ستایا تھا۔ شاید اس کی بد دعا لگی ہے۔ وہ نہایت شرمندہ تھا۔ اس کی بیوی اور ماں نے اسے بتا رکھا تھا کہ اسکا علاج اور خرچہ پانی کا سارا بوجھ وہ سیٹھ اٹھا رہا ہے۔ وہ نام نہیں جانتا تھا۔ بس دل سے ڈھیر ساری دعائیں اس کے لیے نکل جاتیں۔ بیوی نے اسے بتایا کہ آج ڈاکٹر صاحب چھٹی دے رہے ہیں اور ہم گھر جا رہے ہیں۔ وہ سیٹھ بھی ملنے آرہے ہیں۔ اپنی گاڑی پر وہ ہمیں گھر چھوڑ دیں گے۔

محمد شریف کو سیٹھ صاحب کا بے چینی سے انتظار تھا۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ جب وہ نیک انسان محمد شریف کی نگاہوں کے سامنے آیا تو محمد شریف کانپ سا گیا۔ نگاہیں خودبخود جھک گئیں۔ آنسوؤں کی لڑیاں اس کے گالوں پر بہنے لگیں۔ دماغ میں وہ سب کچھ گردش کرنے لگا۔ وہ زیادتیاں، وہ ستایا جانا۔

آہ! کیا کچھ کہا میں نے۔ کتنا کچھ غلط کیا تھا میں نے اس کے ساتھ اور کیا کمال کا بدلہ چکایا اس نے۔ برائی کا جواب نیکی سے دیا۔ آہ میں تو اپنی ہی نظروں میں گر گیا۔

محمد شریف پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ وہ عبدالمالک سے ہاتھ جوڑ کر معافیاں مانگنے لگا۔

میں شرمندہ ہوں۔ میں نہایت شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔ میں بہت برا ہوں۔ میں نے بہت برا کیا۔

عبدالمالک نے اسے گلے سے لگایا اور تمام گلے شکوے دور کیے۔ اسے سچے دل سے معاف کر دیا۔ محمد شریف کو گھر لے آیا۔ محمد شریف کی زندگی ہی بدل گئی تھی۔ اس نے خدا سے توبہ کی اور اب وہ نماز بھی پڑھنے لگا تھا۔ اس نے عبدالمالک کو خوشخبری سنائی کہ اب وہ اپنی محنت سے روزی کمائے گا۔ اس نے گداگری چھوڑ دی تھی اور اس کے انعام میں اسے اپنی دکان پر رکھ لیا تھا۔

لوگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ کل والا بھکاری محمد شریف ہے۔ جس میں شرافت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ مگر آج کا محمد شریف کل کے محمد شریف سے بالکل مختلف تھا۔

اذان ہوتی تو تمام کام کاج چھوڑ کر وہ عبدالمالک کے ساتھ نماز پڑھنے لگ جاتا۔ اس نے گداگری کا پیشہ چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ اپنی محنت سے کماتا تھا اور عزت کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

وہ اللہ کے بعد عبدالمالک کا شکر گزار تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے سیدھے راستہ پر چلنے کا وسیلہ بنا کر بھیجا۔

بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور جس طرح سے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔

❀ ❀ ❀ ❀

پہلے تولو پھر بولو

جینا اکرم

"عمرو عیار میرا پسندیدہ کردار ہے اور میں اسی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عامر عیار بنوں گا"

عامر چھٹی کے بعد ہم جماعتوں میں کھڑا اپنی عیاریوں کے قصے سنا رہا تھا۔ اتنا عیار وہ نہیں تھا جتنا باتونی تھا۔ اسی وجہ سے ساری جماعت اس کی باتوں پر قہقہے مار کر ہنستی تھی۔

"یار! تم بہت مزاحیہ ہو" فیصل جس کو اسکول میں داخلہ لیے چند دن ہوئے تھے۔ وہ عامر کے قصوں پر خوب ہنسا۔

"چلو! گھر چلیں! راستے میں اور بھی سناؤں گا" دونوں اپنے اپنے گھر کی سمت جانے لگے۔ گھر جا کر اس نے تھوڑا بہت کھانا کھایا اور ٹوپی پہن کر مدرسے کی جانب بھاگا۔

عامر دیر سے گیا مگر پھر بھی قاری صاحب کے قریب بیٹھنے کی جگہ مل گئی۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی زبان طوطے کی طرح چل رہی تھی۔ جسے دیکھ کر قاری صاحب نے زور سے مکتب پر ڈنڈا مارا۔ عامر سہم گیا پھر پڑھنے لگا۔ مگر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ دوبارہ تین چار لڑکوں کے ساتھ باتوں میں مشغول تھا۔

پڑھائی کا وقت ختم ہوا تو پندرہ منٹ کا حلقہ لگا کر سب بیٹھ گیے۔ (حلقہ ایک گول دائرے کی صورت میں بیٹھے لوگوں کو کہتے ہیں۔ جس میں

سب دین کی باتیں کرتے ہیں)
"مَنْ صَمَتَ نَجَا" (جو خاموش رہا اس نے نجات پائی)"
قاری صاحب نے حدیث سے افتتاح کیا۔
"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار اچھی عادات میں سے ایک عادت خاموش رہنا تھی۔ جب بولتے معیاری بات کہتے ورنہ خاموش رہتے۔ زیادہ بولنے سے یا فضول بولنے سے ہمیشہ نقصان ہوتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو خاموش رہا اس نے نجات پائی"
"بھلا نجات کس چیز سے عبدالغفار؟" قاری صاحب نے اپنے بیٹے سے سوال کیا۔
"بہت سی چیزوں سے نجات جیسے مصیبتوں سے، گناہوں سے، غیبتوں سے اور ابا جی! زبان کے شر سے بھی نجات ملتی ہے"
سب بچے دلچسپی سے سن رہے تھے۔ قاری صاحب نے مزید پوچھا۔
"زبان کا شر کیا ہے؟"
"ابا جان! زبان کے شر کا تعلق دو چیزوں سے ہے۔ ہم سے اور ہم سے وابستہ لوگوں سے۔ کچھ ایسے الفاظ ہوتے ہیں جن سے ہم کسی کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور کچھ جو ہمیں مشکل میں اور نقصان میں ڈالتے ہیں۔ جیسے میں کچھ بھی جھوٹ سچ، ملاوٹی بات کہوں گا اور وہ بات کل کو میرے لیے مصیبت بن جائے۔" قاری صاحب نے مسکرا کر سب کر دیکھا اور کہا۔
"بلکل درست! زبان پر قابو رکھنا ہمیں ہمیشہ بچاتا ہے جو زیادہ بولتا ہے وہ ہمیشہ پھنستا ہے۔ الفاظ اس کے مستقبل کو مشکل میں ڈالتے ہیں" سب خاموشی سے سن رہے تھے۔
بعض بچوں نے باتوں کو دل میں اتارا اور بعض خود نیند کی وادی میں اتر رہے تھے۔ انہی بچوں میں ایک عامر بھی تھا۔ اللہ پاک مصیبت بھیجنے سے پہلے اس کا اشارہ ضرور دیتے ہیں۔ یہ باتیں عامر کے لیے وہی اشارہ تھیں۔

❁ ❁ ❁ ❁

اگلے دن اسکول میں عامر بہت خوشی خوشی داخل ہوا۔ نئے قصے کہانیاں سوچ کر بریک میں عامر نے فیصل کو ڈھونڈا اور اپنی شرارتوں کے نئے قصے سنانے لگا۔ عمر وعیار کا چیلا جو تھا۔ راستے میں اس کی ٹکر ہم جماعت عثمان سے ہوگئی۔ جس کے باعث دونوں جھگڑنے لگے۔
چھٹی سے کچھ دیر پہلے عثمان نے کلاس میں رونا شروع کر دیا۔ اس کی سائنس کی کاپی چوری ہو چکی تھی۔ کلاس میں ہر بچے کی تلاشی لی گئی مگر کاپی کسی کے بیگ سے نہیں ملی۔ چونکہ عامر سب سے شرارتی تھا۔
"میم جی! عثمان کی کاپی چھوٹے عمر وعیار نے ہی لی ہوگی۔ اس کی بریک ٹائم عثمان سے لڑائی ہوئی تھی تو اس نے کہا تھا میں عثمان کو دیکھ

لوں گا''، فیصل نے اس کی شکایت لگا دی جس وجہ سے اسے سزا دی گئی اور عثمان کی نئی کاپی اب اس نے تیار کرنی تھی۔

''مس! میں نے چوری نہیں کی ہے۔ میں نے کبھی بھی چوری نہیں کی۔'' عامر نے اتنی بے عزتی کے بعد روتے ہوئے کلاس ٹیچر فرحت سے کہا۔ ٹیچر نے اس کو دیکھا تو اسے عامر کی بات نے سوچ میں ڈال دیا۔

کیوں کہ عامر سچ کہہ رہا تھا وہ محسوس کر سکتی تھی۔ اس وقت وہ خاموش ہو گئیں۔ عامر کو قاری صاحب کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

اگلے چند دنوں میں عامر تھوڑا چپ چپ سا ہو گیا تھا۔ کیونکہ سب اسے چور سمجھتے تھے اور یہ سب اس کے بلا وجہ زیادہ بولنے سے ہوا تھا۔

❀❀❀❀

آج جمعے کا دن تھا اور ایک اور بچے کی کاپی چوری ہو چکی تھی۔ کلاس میں شور تھا پوری کلاس نے پھر سے عامر کا نام لیا۔ آج عامر نے کوئی صفائی نہیں دی بلکہ خاموش ہی رہا۔

کلاس ٹیچر پرنسپل کے پاس گئی اور ساری صورت حال ان کو بتائی۔

''مس فرحت! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ مجھے بھی نہیں لگتا یہ چوری عامر نے کی ہے۔ آپ جائیں اور ہر بچے پر نظر رکھیں۔ میں چھٹی کے بعد آپ سے ملتی ہوں۔'' پرنسپل نے کلاس ٹیچر کو واپس بھیج دیا اور خود سوچ میں پڑ گئی۔

❀❀❀❀

''عامر کو دیکھو! کتنی چوریاں کرنے لگا ہے۔ پہلے سب کی ناک میں دم کیسے رکھتا تھا''، چھٹی کے بعد لان میں کھڑے فیصل نے عثمان کے کان میں یہ بات کہی۔ ابھی ابھی پورے اسکول کو پرنسپل نے کسی اعلان کے لیے ہال میں جمع کیا تھا۔ سب بچے لمبی قطاروں میں کھڑے تھے کہ سب ٹیچرز نے مل کر بچوں کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر فیصل گھبرا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی باری آئی تو اس کا سر شرم سے جھک گیا۔ کاپی اس کے بیگ سے نکلی تھی۔

وہ نیا تھا تو مکمل کرنے کے لیے اس نے عثمان کی کاپی چرائی تھی اور الزام عامر پر لگا دیا۔ پہلے وہ کاپی نکال کر چھپا دیتا اور چھٹی کے وقت نکال کر بیگ میں ڈال کر گھر لے جاتا۔ آج بھی اس نے یہی کیا تھا۔

''لائن سے باہر نکالو اس بچے کو'' پرنسپل نے کہا۔ فیصل آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے جھکے ہوئے سر کے ساتھ باہر نکل رہا تھا۔

پوری کلاس اسے حیرت سے دیکھے گئی۔ اب فیصل کو اپنے کیے کی سزا ملنی تھی۔ پر جو عامر کے ساتھ ہوا وہ بدلا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیے کہتے ہیں پہلے تولو پھر بولو!

❀❀❀❀

بقیہ: اثر پڑتا ہے

اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بنی اسرائیل پر زوال کا پہلا سبب یہ بنا کہ جب ایک شخص دوسرے شخص سے ملتا اور اسے کوئی ناجائز کام کرتے دیکھتا تو اسے منع کرتا اور کہتا کہ دیکھ اللہ تعالی سے ڈر اور ایسا مت کر مگر اس کے نہ ماننے کے باوجود اپنے میل میلاپ کی وجہ سے اس کے ساتھ کھانے، پینے، اٹھنے اور بیٹھنے میں ویسا ہی برتاؤ کرتا تھا جیسا اس سے پہلے تھا۔ جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو اللہ تعالی نے ایک گروہ کے دلوں کو دوسرے کے دلوں سے ملا دیا یعنی نافرمانوں کے جیسے دل تھے، ان کی نحوست سے فرماں برداروں کے دل بھی ویسے ہی بنا دیئے"۔ (رواہ ابوداؤد و ترمذی کذا فی الترغیب)

"تو مجھے اب کیا کرنا چاہیے بابا؟" ابوہریرہ کا سر اللہ تعالیٰ کے خوف، احساس ندامت اور شرمندگی سے جھکا جا رہا تھا۔

"بری صحبت سے بہتر ہے کہ بندہ تنہائی اختیار کرلے اور تنہائی سے بہتر ہے کہ بندہ اچھی صحبت اختیار کرلے، نیک اور اچھے لوگوں سے محبت اور میل جول رکھے۔" عثمان صاحب نے ساری گفتگو کا خلاصہ تین جملوں میں سمیٹ دیا تھا۔

"بابا۔۔۔ مجھے معاف کردیں" آنکھوں میں نمی اور آواز میں کئی سسکیاں تھیں۔ "بے شک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے ساتھ ساتھ آپ کی نافرمانی بھی کرتا رہا اگر آپ مجھے نہ سمجھاتے تو یقیناً غلط صحبت اور برے دوستوں کے اثرات مجھے چور، ڈاکو، لفنگا، نشئی، قاتل، ظالم اور سب سے بڑھ کر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نافرمان بنا ڈالتے اور میری دنیا و آخرت دونوں میں ذلت و خواری، بے بسی اور بے چارگی مقدر بن جاتی۔

آپ کا بہت بہت شکریہ میرے پیارے بابا۔۔۔!" اس کی آنکھوں سے نمکین پانی برسنے لگا۔ اگلے روز جب دونوں عصر کی نماز پر گئے تو واپسی پر عثمان صاحب کو اپنی امید اور آس کا ستارہ ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

آج پھر ابوہریرہ اس کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ دل پر افسردگی اور رنجیدگی کا بوجھ لیے من من کے قدم اٹھاتے گھر کو چلے جا رہے تھے کہ مسجد کے ساتھ ملحق مدرسے کے میدان میں ان کی نظر ابوہریرہ پر پڑی۔ وہ مدرسے کے طلبہ کے ساتھ فٹ بال کھیل رہا تھا۔ تھوڑی دیر عثمان صاحب اسے محبت پاش نظروں کے حصار میں باندھے رہے پھر دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں کے ہونٹوں پر تبسم اور مسکان کی پریاں رقص کرنے لگیں۔

نظام دکن کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ مغل فوج میں قمر الدین علی خان نے قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا اور ۱۱۲۴ھ میں دکن کی تسخیر کا منصوبہ بنایا۔ مگر بہت دنوں تک یہ منصوبہ صرف اس کے دماغ میں ہی پرورش پاتا رہا۔ تسخیر دکن کے لیے ایک بڑی فوج اور دوسرے جنگی وسائل درکار تھے۔

آخر ایک دن قمر الدین علی خان کے ایک دوست نے اسے مشورہ دیا کہ وہ حضرت شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی کامیابی کے لیے دعا کی درخواست کرے۔

حضرت شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادیؒ سلسلہ چشتیہ کے عظیم بزرگ تھے اور ایک جہان ان کی دعاؤں سے فیض یاب ہوتا تھا۔ قمر الدین علی خان صوفیا کے ادب و احترام سے واقف تھے، اس لیے خاکساری کے لباس میں بڑے انکسار کے ساتھ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سر جھکا کر اپنا مدعا بیان کیا۔ حضرت کلیم اللہ شاہ جہاں آبادیؒ کچھ دیر تک خاموش بیٹھے رہے، پھر محبت آمیز لہجے میں فرمایا۔

”ہم نے دکن کا علاقہ نظام الدین کے سپرد کر دیا ہے تم ان سے جا کر ملو۔ وہی تمہاری درخواست پر کوئی فیصلہ کریں گے۔“

قمر الدین علی خان کو خیال گزرا کہ شاید حضرت شیخ اس بہانہ سے اسے ٹالنا چاہتے تھے۔ اس لیے

انتہائی رقت آمیز لہجے میں عرض کرنے لگا۔
''شیخ یہ تو آپ کی کرم نوازی ہے کہ مجھے اپنی بارگاہ جلال میں حاضری کی سعادت بخشی۔
ورنہ میں اس قابل کہاں تھا؟ بہت گناہ گار وخطا کار ہوں، اس لیے ڈر لگتا ہے کہ کہیں حضرت نظام الدینؒ مجھے اپنے بزم معرفت سے ناکام ونامراد ہی واپس نہ لوٹا دیں۔''
''پھر کیا چاہتا ہے؟؟'' حضرت شیخ نے قمر الدین علی خان سے پوچھا۔
''حضور کا سفارش نامہ چاہتا ہوں۔'' مغلیہ سلطنت کے صوبے دار نے گداگروں کے لہجے میں عرض کیا۔
حضرت شیخ مسکرائے اور پھر اپنے مرید خاص، حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے نام ایک ٹھیکری پر یہ عبارت تحریر کر دی۔
''کتا آرہا ہے۔ ہڈی ڈال دو!''
قمر الدین خان کسی حد تک بزرگان دین کے اشارات وکنایات کو سمجھتا تھا۔ اس لیے اس نے حضرت شیخ کی بخشی ہوئی ٹھیکری کو تین بار بوسہ دیا اور پھر اپنی دستار میں رکھ کر دکن کے شہر اورنگ آباد پہنچا جہاں حضرت نظام الدینؒ قیام فرماتے۔
دن کے دس گیارہ بجے کا وقت تھا۔ حضرت شیخ نظام الدین اپنے کچھ مہمانوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ قمر الدین علی خان نے وہ ٹھیکری ایک خدمت گزار کے ذریعے حضرت شیخ کی خدمت میں بھجوادی۔ حضرت نظام الدین نے پیر ومرشد کا نام سنا تو کھانا چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ ٹھیکری کو چوما اور آنکھوں کو لگایا۔ پھر اپنے آگے سے سات روٹیاں اٹھائیں اور ان پر ایک ہڈی رکھ کر خدمت گار سے فرمایا:
''مہمان کو کھانا کھلاؤ...... ہم ابھی آتے ہیں''
قمر الدین خان نے بڑے شوق سے کھانا کھایا جیسے اسے کوئی نعمت عظمٰی حاصل ہوگئی ہو۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو چکا تو حضرت تشریف لائے۔ حضرت کو دیکھ کر قمر الدین خان کھڑا ہو گیا۔
''کھانا کھالیا؟؟؟...... کچھ اور چاہیے؟''
حضرت نظام الدین اورنگ آبادی نے بڑے مشفقانہ لہجے میں قمر الدین علی خان سے پوچھا۔
''بس حضور بہت سیر ہو کر کھایا اب کسی چیز کی حاجت نہیں رہی۔'' قمر الدین خان نے عرض کیا۔
پھر حضرت نظام الدین نے قمر الدین کو خلوت میں طلب کر کے اس کی حاضری کا مقصد دریافت کیا۔
قمر الدین خان نے دست بستہ عرض کیا۔
''حضور تسخیر دکن کا سودا سر میں سمایا ہے۔ مگر حال یہ ہے کہ نہ طبل وعلم ہے، نہ لشکر وسپاہ، بس حضرت شیخ کا سفارش نامہ ہی اپنا اثاثہ ہے اور اسی حوالے سے دعاؤں کا طالب ہوں۔''
''قمر الدین خان تیرے لیے میرے مرشد کا

سفارش نامہ ہی کافی ہے۔'' حضرت نظام الدینؒ نے پرجوش لہجہ میں فرمایا۔

''خدا تجھے نصرت عطا کرے۔'' یہ کہہ کر حضرت شیخ نے اپنی دستار سے ایک ٹکڑا پھاڑا اور اسے قمر الدین علی خان کے سر پر باندھ دیا۔

''قدرت حق سے میں بھی نظام اور تو بھی نظام۔جاقسمت آزمائی کر!''

قمر الدین خان حضرت نظام اورنگ آبادیؒ کی بارگاہ سے اٹھا اور اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ دکن پر حملہ آور ہوا۔ پھر تھوڑی ہی دنوں میں قمر الدین خان نے پورے دکن کو فتح کرلیا اور نظام الملک آصف جاہ اول کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

نظام الملک اول کی سلطنت دریائے نربدا سے ترخیاپلی اور کوکن سے مدراس تک پھیلی ہوئی تھی۔نظام کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر انگریزوں نے اس سے تعلقات استوار کرنا شروع کر دیئے۔ پھر جب فرانسیسیوں نے مدراس پر قبضہ کرنا چاہا تو انگریزوں نے نظام الملک اول سے امداد طلب کی۔

نظام الملک اول کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا مظفر جنگ تخت نشین ہوا مگر دکن کے فتنہ گروں نے جلد ہی اسے قتل کر دیا۔

۱۷۵۱ء میں اس کا دوسرا بیٹا صلابت تخت نشین ہوا۔ جنگ کے دور حکومت میں فرانسیسی بہت زیادہ عروج حاصل کر چکے تھے۔

اسی کے زمانہ میں مرہٹوں نے سورش برپا کی اور سلطنت دکن کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کرلیا۔ ۱۷۶۱ء میں صلابت جنگ کے وزیروں نے اسے قید کرلیا اور نظام الملک اول کے چوتھے بیٹے نظام علی خان کو دکن کے تخت پر بٹھا دیا۔

خوش قسمتی سے اسی زمانہ میں احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو قلع قمع کر دیا۔اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نظام علی خان نے کھوئے ہوئے علاقے دوبارہ سلطنت میں شامل کر لیے۔

۞ ۞ ۞ ۞

نظام علی خان ایک انتہائی خود غرض اور مغرور حکمران تھا۔اس نے نواب حیدر علی کی فراخ دلانہ پیش کش کو حقارت سے ٹھکرایا اور ہر بار والئی میسور کے نسب نامے پر طنز کیا۔

حالانکہ نظام علی خان خود بھی ایک صوبیدار کا بیٹا تھا مگر وہ خود کو ہمیشہ نظام ابن نظام کہہ کر پکارتا تھا۔جیسے کئی پشتوں سے دکن کی حکومت اس کے خاندان کی جاگیر رہی ہو۔دکن کے بیشتر باشندے اس راز سے باخبر تھے کہ قمر الدین علی خان کی حکومت حضرت شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادیؒ اور حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کی دعاؤں کا صدقہ تھی لیکن نظام علی خان نے غرور اقتدار میں اپنے باپ دادا کے ماضی کو فراموش کر دیا تھا۔

اگر نظام علی خان صرف حیدر علی کے ساتھ تحقیر

آمیز سلوک جاری رکھتا تو اسے ذاتی نفرت وحسد کا معاملہ کہہ کر نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔مگر اس بے ضمیر انسان نے والیٔ میسور سے انتقام لینے کے لیے ہندوستانی مسلمانوں کے مفادات کو بھی شدید نقصان پہنچایا اور نواب حیدر علی کے خفیہ پیغامات انتہائی رنگ آمیزی کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہدیداروں کو منتقل کر دیئے۔

نظام علی خان نے کرنل اسمتھ کے نام ایک خط تحریر کرتے ہوئے کہا:

''میں کمپنی بہادر کو بروقت مطلع کر رہا ہوں کہ ہندوستان میں انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن حیدر علی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں۔

اس فتنے کی سرکوبی میں کسی تاخیر کا مظاہرہ نہ کریں ورنہ سرزمین ہندوستان پر شاہ انگلستان کے نمائندوں کا وجود تک باقی نہیں رہے گا''

نظام علی خان حقیقتاً انگریزوں کا دوست بھی نہیں تھا۔وہ سیاسی صورتحال سے فائدہ اٹھا کر ایک خوفناک کھیل کھیل رہا تھا۔ایسٹ انڈیا کمپنی کو خط تحریر کرنے کے بعد اس نے اپنے رازدار امراء سے کہا تھا:

''میں فرنگیوں اور حیدر علی پر لعنت بھیجتا ہوں۔مجھے صرف اپنے اقتدار کی سلامتی درکار ہے اور یہ اسی صورت ممکن ہے کہ دونوں بھیڑیے آپس میں الجھ پڑیں۔پھر وہ ہلاک ہوجائیں یا زخموں سے چور ہو کر اس قدر کمزور ہوجائیں کہ دوبارہ اٹھنے کی ہمت نہ کرسکیں۔''

''تو پھر حضور کو چاہیے کہ وقت کا انتظار کریں اور دور رہ کر تماشا دیکھیں۔'' ایک ہوشمند وزیر نے نظام علی کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''مجھے بہر حال انگریزوں کا ساتھ دینا ہی پڑے گا۔ورنہ وہ میری بات کا اعتبار نہیں کریں گے۔'' نظام علی خان نے اپنے وزیر کے جواب میں کہا۔

''دوسرے یہ کہ میں جلد از جلد اس صورت حال کا خاتمہ چاہتا ہوں۔بہت ممکن ہے کہ تنہا انگریزی فوج، حیدر علی کو مکمل طور پر شکست نہ دے سکے۔'' والیٔ دکن نے اپنی خود غرضی اور نفس پرستی پر دلائل کا پردہ ڈال دیا تھا۔

نظام علی کی اس سازش کی خبر حمیدہ خاتون کو بھی پہنچ گئی۔حمیدہ خاتون نظام الملک اول کے بڑے بیٹے مظفر جنگ کی بیٹی تھی۔جس کے باپ کو اقتدار سنبھالنے کے کچھ دن بعد قتل کر دیا گیا تھا۔حمیدہ خاتون خاندانی اعتبار سے بھی شہزادی تھی اور شہزادیوں جیسا حسن بھی رکھتی تھی۔

باپ کے قتل کے بعد وہ اور اس کی ماں کنیزوں جیسی زندگی بسر کر رہی تھیں۔دنوں ماں بیٹی پر مختلف پابندیاں عائد تھیں...... نہ وہ کسی سرکاری تقریب میں شرکت کرسکتی تھی اور نہ محل سے باہر جاسکتی تھیں۔دکن کی فوج اور عوام میں اب بھی مظفر جنگ کے ہزاروں حامی موجود

تھے۔نظام علی خان اس بات سے خائف رہتا تھا کہ کہیں مظفر جنگ کے بیوہ اور بیٹی مقتول حکمراں کے حامیوں سے رابطہ قائم نہ کرلیں اور پھر یہ تعلق کسی بغاوت میں تبدیل نہ ہوجائے۔

ان ہی پابندیوں سے تنگ آ کر ایک دن حمیدہ خاتون نے اپنے چچا نظام علی خان سے احتجاج کرتے ہوئے کہا تھا:

''عم محترم! ہمیں اس غلامانہ زندگی سے نجات دیجیے کہ ہم کسی بھی طرح اس سزا کے مستحق نہیں ہیں۔''

''میں نے تم دونوں کو زندگی بخش دی۔بس یہی میری شفقت ومہربانی کی انتہاء ہے۔'' نظام علی خان نے انتہائی تندوتیز لہجے میں اپنی حقیقی بھتیجی کو جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔

''ورنہ سیاست میں دشمنوں کو ایک سانس لینے کی بھی رعایت نہیں دی جاتی۔''

''میں آپ کی دشمن ہوں؟'' حمیدہ خاتون کے معصوم چہرے پر شدید اذیت وکرب کے سائے اُبھر آئے تھے۔

''تم دونوں جب تک زندہ رہوگی، مجھے دشمن کی آنکھ سے دیکھتی رہوگی۔'' نظام علی خان کی گفتگو سے انتہائی سفاکی جھلک رہی تھی۔

''وقت نے دو فیصلے کیے۔تمہارا باپ قتل ہوگیا اور مسند اقتدار میرے قدموں تلے بچھادی گئی۔تم دکن کے تخت کو اپنا حق سمجھتی ہو اور میں اسے اپنی وراثت خیال کرتا ہوں۔پھر ہم دونوں دوست کس طرح ہوسکتے ہیں؟''

حمیدہ خاتون ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔چچا کی ظالمانہ گفتگو سن کر اس نے پوری سچائی کے ساتھ کہا:

''واللہ! مجھے اور میری ماں کو اس تخت کی ذرا بھی خواہش نہیں جس کے پائے میرے باپ کی لاش پر رکھے ہوئے ہیں۔

آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کو یہ دستاویز لکھ کر دے سکتی ہوں کہ کسی بھی وقت اور کسی بھی حال میں دکن کے اقتدار کا دعویٰ نہیں کروں گی۔

میں نے اپنی آنکھوں سے اپنے باپ کو خون میں نہایا ہوا جسم دیکھا ہے۔اب مجھے کسی دولت واقتدار کی خواہش نہیں رہی۔

یہ تاج وتخت آپ ہی کو مبارک ہوں۔مگر پھر بھی اتنی درخواست ضرور کروں گی کہ مجھے اور میری ماں کو آبرومندانہ زندگی گزارنے کا حق مرحمت کیا جائے۔''

❁❁❁❁

نعمان کا باجا

فاریہ قمر

امی پلیز۔امی !نعمان نے کہا۔

نہیں بالکل بھی نہیں !امی نے جواب دیا۔

امی! میری پیاری امی، پلیز مان جائیں نا۔ نعمان نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

کبھی نہیں۔سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

امی نے بھی ٹھان لی کہ نعمان کی بات نہیں تسلیم کرنی ہے۔

امی کیا ہوگیا ہے؟؟؟ مجھے سمجھ نہیں آرہی آپ کیوں نہیں مان رہی۔نعمان نے خفگی سے کہا۔

تم سمجھنا نہیں چاہتے اس لیے آنی بھی نہیں تمھیں سمجھ۔امی نے گھورتے ہوئے کہا۔

امی میری اچھی امی۔بس یہ بات مان لیں، پھر ضد نہیں کرونگا۔پلیز امی۔نعمان نے ضد جاری رکھتے ہوئے کہا۔

بس چپ۔تمھیں ایک بار کی بات سمجھ نہیں آتی،نہیں تو نہیں۔بس۔اب اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوگی۔ماننے والی بات ہوتی تو ضرور مانتی۔امی نے بات کہی اور کچن کی جانب چلی گئیں۔

نعمان اور اس کی امی کے درمیان کافی دیر سے بحث جاری تھی۔نعمان اپنی بات منوانے کی کوشش کررہا تھا جب کہ اس کی امی مان نہیں رہی تھیں۔سارے حربے آزمانے کے بعد نعمان

نے امی کو جذباتی کرنے کی کوشش کی۔
آج ابو زندہ ہوتے تو وہ کبھی منع نہ کرتے۔نعمان نے روتے ہوئے امی کو ایموشنل بلیک میل کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے کہا۔
ہونہہ! آج اگر وہ ہوتے تو تمھاری اس بات پر جوتے مارتے تمھیں۔امی نے استہزائیہ ہنستے ہوئے کہا۔
اپنی آخری امید بھی کارگر ثابت نہ ہوتے دیکھ کر نعمان چکرا کر رہ گیا۔اس کا خیال تھا ابو کے ذکر پر امی مان جائیں گی لیکن یہاں تو سب الٹ ہوگیا تھا۔اب وہ اونچی آواز میں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا رو رہا تھا۔
امی کچن میں کام کر رہی تھی ساتھ ساتھ وہ نعمان کو روتا بھی دیکھ رہی تھی۔
پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا نعمان کی ہر جائز و ناجائز بات مانی جاتی تھی۔یہ بات نعمان کو پریشان کرنے کے لیے کافی تھی۔
نعمان کا خیال تھا کہ اس کے رونے پر اس کی امی کا دل نرم پڑ جائے گا لیکن یہ اس کی خام خیالی ہی ثابت ہوئی تھی۔
جب رونے کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور نعمان رو رو کر تھک گیا تو دادی کے کمرے میں چلا گیا۔
دادی!! دادی!!
ری۔ری۔ری۔رو۔رو۔رو۔سو۔سو۔سو۔
ارے ارے، کیا ہوا میرے بچے؟
کیوں رو رہے ہو؟
نعمان کو روتا دیکھ کر دادی کا کلیجہ منہ کو آگیا۔انہوں نے پوچھا۔
نعمان دادی کا لاڈلا تھا اور ہوتا بھی کیوں نا؟ آخر کو ان کے واحد بیٹے کی اکلوتی نشانی جو تھا۔
میرے لال! نہ رو، مجھے بتا کیا ہوا ہے؟
دادی نے نعمان کا سر گود میں لیتے ہوئے کہا۔
دادی کو پریشان دیکھ کر نعمان نے اور زور سے رونا شروع کر دیا۔
ارے! اب کیا دادی کی جان لے گا؟ کچھ بولے گا بھی یا روتا ہی رہے گا؟؟؟؟
دادی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
وہ۔دادی۔۔۔دادی۔دادی آپ امی کو سمجھائیں۔نعمان جلدی سے اپنے مدعا پر آگیا۔
ہیں؟؟؟؟ تیری ماں کو سمجھاؤں؟؟
اس کو سمجھانے کی کیا ضرورت ہے وہ تو ماشاء اللہ سے پہلے ہی سمجھدار ہے۔
دادی بولنے پر آئی تو پھر بغیر رکے بولتے ہی چلی گئی، اپنی بہو کی شان میں قصیدے پڑھتی ہی چلی گئی۔
نعمان کا دل چاہا اپنا سر دیوار پر مار لے۔
دادی! دیکھیں یہ کتنا مبارک مہینہ ہے نا؟
نعمان نے دادی کی کمزوری کو موضوعِ گفتگو بنایا۔

ہاں ماشاءاللہ سے ربیع الاول کا مہینہ تو بہت بابرکت اور مبارک ہوتا ہے۔

دادی نے تصدیقی انداز میں کہا۔

ہاں تو دادی !اس مہینے کا احترام کرنا ہم پر لازم ہے نا؟نعمان آہستہ آہستہ دادی کو رام کر کے اصل بات کی جانب بڑھ رہا تھا۔

ہاں بیٹا!اس کا احترام تو ہم پر لازم ہے ۔آخر کو ہم امتی جو ٹھہرے نبی آخرالزماں ﷺ کے اور یہ ہے بھی ہمارے نبی کی ولادت کا مہینہ ہے۔ دادی نے بڑی عقیدت کے ساتھ نعمان کو بتایا۔

ہاں تو دادی، ہمیں اپنے نبی کی آمد کے موقع پر خوشی تو منانی چاہیے نا؟نعمان نے معصوم بھولا سا چہرہ بنا کر دادی سے سوال کیا۔

دادی نعمان کی ہاں میں ہاں ملائے جا رہی تھی،اس بات پر نعمان نے دل ہی دل میں شکر کا کلمہ پڑھ ڈالا۔

بس دادی اتنی سی بات ہے ۔امی مجھے اس موقع پر خوشی نہیں منانے دے رہی ہیں ۔نعمان نے رونی صورت بنا کر بے چارگی سے دادی کی طرف دیکھا۔

ہائے !میں تو تیری ماں کو بہت سمجھدار سمجھتی تھی پر وہ تو۔۔۔۔۔۔دادی بولتے بولتے ایک دم چپ ہوگئی ۔نعمان کے سامنے وہ اس کی امی کو کچھ غلط کہنے کی غلطی نہیں کرسکتی تھیں۔

چلو آؤ میرے ساتھ ۔میں بات کرتی ہوں فرزانہ سے آخر وہ بچے کو کیوں منع کر رہی ہے ۔دادی نعمان کا ہاتھ پکڑ کر کچن میں لے آئیں جہاں اس کی امی پہلے سے کام میں مصروف تھیں ۔نعمان کو دادی کے ساتھ آتا دیکھ کر اس کی امی معاملے کو سمجھ گئی تھی۔

امی نے بھرپور گھوری ڈال کر دیکھا۔

نعمان نے نظریں چرا کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

ارے فرزانہ بیٹی! کیوں بچے کی بات نہیں مان رہی ہو؟ مبارک مہینے پر خوشی منانے سے کیوں منع کر رہی ہو؟ دادی نے نعمان کی حمایت کرتے ہوئے اس کی سفارش کر ڈالی۔

یہی بات تو میں کہہ رہی ہو اماں جی ۔خوشی کے موقع پر خوشی منائی جائے ،شیطانی حربے نہ استعمال کیے جائیں ۔امی نے دادی کو اپنی وضاحت دی۔

ہیں؟ شیطانی حربے؟؟؟ دادی ہکی بکی اپنی بہو کا منہ تکنے لگی تھیں۔

تم نے پوری بات نہیں بتائی ؟امی نے نعمان کو آنکھیں نکال کر پوچھا۔

ج۔ جی۔ بتائی ہے ۔نعمان نے گھبرا کر کہا۔

ہمم۔لگ تو نہیں رہا۔امی نے نعمان کو لتاڑ ڈالا۔امی کے بگڑے تیوروں سے نعمان گھبرا رہا تھا۔

اماں جی !یہ مبارک مہینہ عبادت ،شکر گزاری

اور عقیدت مندی کا ہے۔اس میں ہمیں پیارے نبی ﷺ کی اسوہ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے۔

امی نے اپنا موقف واضح کیا۔

ہاں بیٹی! یہ بات تو میں جانتی ہوں۔ دادی نے جواب دیا۔

بس یہی بات میں اس کو سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں جو کہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔امی نے دادی کو ساری تفصیل بتائی۔

یہ باتیں تو اس کو بھی معلوم ہیں پھر کیا مسئلہ ہے؟ کیوں نہیں سمجھ رہا؟ دادی نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

دادی الجھ کر رہ گئی تھیں ان کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اصل مسئلہ کیا ہے؟؟؟

اماں جی! برخوردار کے سر پر بینڈ باجے کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔

کیونکہ ان کے سب دوست اس میں شامل ہیں اور ان کو شہہ دے رہے ہیں۔

امی نے ساری بات دادی کے سامنے کھول کر رکھ دی۔

آہ! اب میں سمجھی۔دادی کو ساری بات سن کر اب اطمینان ہو گیا تھا۔

کوئی بات نہیں بیٹی!

ابھی بچہ ہے خود ہی وقت کے ساتھ سمجھ جائے گا تم اس کو اجازت دے دو۔

نعمان کا اترا منہ اور سوجی آنکھیں دیکھ کر دادی کو اس پر ترس آرہا تھا۔

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اماں جی! یہ بچہ تو نہیں ہے، آٹھویں جماعت میں پڑھتا ہے۔امی نے جواب دیا اور پھر کچھ یوں گویا ہوئیں:

بہت معذرت اماں جی! میں اس کو کبھی کسی غلط کام کی اجازت نہیں دے سکتی۔اب نہیں سمجھے گا تو کب سمجھے گا؟

مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ کون سا طریقہ ہے کہ ہاتھ میں ڈرم، چھلے پکڑ کر موسیقی کے آلات کے ذریعے جشن منایا جائے۔کیک پر روضہ رسول کی شبیہ بنا کر اسے کاٹا جائے اور اماں جی حد تو یہ ہے کہ دیکھنے والے تماش بین بھی ان کو سراہتے ہیں۔جوان لڑکیاں اور عورتیں گھروں سے تیار ہو کر اوٹ پٹانگ فیشن کر کے نامحرموں کے درمیان گھومتی پھرتی ہیں۔

یہ جشن منایا جارہا ہے نبی ﷺ کی آمد کا؟؟؟

نعمان کی امی کی آواز درد سے کانپ رہی تھی۔وہ بولے جارہی تھیں۔

وہ نبی ﷺ جنہوں نے ان چیزوں سے منع کیا۔دین کی تعلیمات ہمیں تھمائی۔آج ان کی ولادت کے موقع پر ہم ان کی بتائی تمام باتوں سے منحرف ہو کر گلی گلی ناچ گانا کر کے ڈھول پیٹ کر جشن منائیں۔

اگر یہی جشن کا انداز ہے تو میں اپنے بیٹے کو ان کی صف میں ہرگز شامل نہیں ہونے دو

گی۔نعمان کی امی کی بات سن کر دادی نے نظریں جھکالیں جبکہ نعمان ہکابکا منہ کھولے کھڑا تھا۔

اماں جی!ان سب کو جشن تو نظر آتا ہے ولادت کا کوئی یہ کیوں نہیں بتاتا کہ اسی مہینے میں آپ ﷺ کی وفات بھی ہوئی تھی۔جو مہینہ خوشی و مسرت کا ہے وہی باعث رنج ودکھ کا ہے۔

نعمان کی امی اب بول بول کر تھک گئی تھی۔ان کا دل رو رہا تھا جبکہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے لیکن دکھ تھا کہ ختم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔آج اگر اس کے ابو زندہ ہوتے تو وہ کبھی نہ چاہتے کہ ان کا بیٹا اس طرح کے کاموں میں مشغول ہو۔

ان کی خواہش تھی کہ ان کا نعمان اسلامی تعلیمات پر زندگی گزارے اور راہ حق میں ان کی طرح شہادت کا درجہ پائے۔

نعمان کی امی کا صبراب جواب دے گیا تھا۔وہ روتے ہوئے اندر کمرے کی جانب بھاگ گئی تھیں۔

دادی اپنی پیاری اکلوتی اور لاڈلی بہو کو روتا دیکھ کر دکھی ہوگئی تھیں۔

نعمان کی آنکھوں سے آج آزادی اور روشن خیالی کی سیاہ پٹی ہٹ گئی تھی۔آج اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی تھی کہ بطور مسلمان ہمیں اپنی مذہبی تعلیمات کو فراموش کر کے غیروں کے انداز کو نہیں اپنانا چاہیے۔

تاریخ گواہ ہے مسلمانوں نے جب بھی اپنی روش بدلی ان پر زوال کی کالی گھٹاؤں نے اپنا پہرہ دیا۔نعمان کا ذہن تمام شکوک وشبہات سے پاک ہوگیا تھا۔کیا آپ کا بھی ذہن صاف پاک ہوگیا؟

❀❀❀❀

حاجیوں کا قافلہ

سنہ 1352ھ - 1934ء یعنی تقریباً 90 برس قبل، حجاج کرام کا ایک قافلہ جو مقام الجحفة سے مکة المکرمة کی طرف رواں دواں ہے۔

یہ تصویر ایک فرانسیسی پائلٹ نے بنائی تھی۔

زیبا خان

پروفیسر

نخل سعدی

آج وہ ضمیر کی عدالت میں کھڑے تھے۔

ماضی کی کھلی کتاب اب ان کے سامنے تھی سچائی ان کو الجھا رہی تھی ضمیر کا کوڑا ان پر وار کر رہا تھا۔ آئینہ ان سے چیخ چیخ کر ان سے سوال کر رہا تھا۔

”احراز خان! تم عزت کے قابل ہو؟
کیا عزت تم جیسے بے ایمان لوگوں کے لئے ہے؟
پروفیسر احراز خان! تم بے حس ہو!
تم بے ضمیر ہو!“

اچانک وہ چیخے۔

”ایسا نہیں ہو سکتا۔ اے اللہ! مجھے بچا لے! مجھے محفوظ کر لیں!

اے اللہ! میں بھٹک گیا ہوں، مجھے سیدھی راہ پر چلا!“

آج وہ اپنے اللہ سے معافی مانگ رہے تھے۔

❋❋❋❋

وہ دونوں نویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ ان کا بچپن ساتھ گزرا تھا۔ دونوں ہم خیال تھے۔ اپنے ملک کے محافظ بننا چاہتے تھے۔ ان کی سوچیں وطن کے لئے تھیں۔

”تم کیا بنو گے؟“ احراز نے سوال کیا۔

”میں اپنے ملک میں علم کی شمع روشن کروں

گا تا کہ میرے ملک کا کوئی فرد علم سے محروم نہ رہ پائے۔

ہر طرف علم کی روشنی کروں گا تا کہ کہیں بھی جہالت کا اندھیرا نہ رہے'' فہد نے بتایا۔

''اوراحراز! تم کیا کرو گے؟''

''میں پروفیسر بنوں گا۔ پروفیسر لیکچرار ان کی بڑی عزت ہوتی ہے۔

یہ اپنی مرضی چلاتے ہیں جسے دیکھو''سر،سر'' کی رٹ لگائے رکھتا ہے اتنا پروٹوکول ملتا ہے ان کو کو کتنا مزا ہے ناں'' احراز بولا۔

''نہیں دوست! عزت پروفیسر لیکچرار بننے سے نہیں ملتی نہ کوئی ایسی خوبی ہوتی ہے جو ان کو معتبر بنا دیتی ہے وہ ہے علم جس کی وجہ سے ان کو عزت ملتی ہے'' فہد نے اس کو سمجھایا۔

''بس کرو! اپنے تقریر ہمیشہ لیکچر جھاڑا کرو میں بہتر جانتا ہوں کیا اچھا اور کیا برا تم کیا ہر وقت علم علم کی رٹ لگائے رکھتے ہو۔

پروفیسر لیکچرار علم کے بغیر بھی بنا جا سکتا ہے'' احراز نے متکبرانہ لہجے میں کہا۔

''کیسے؟'' فہد نے سوال کیا۔

''پیسہ ہر جگہ چلتا ہے'' احراز نے کالر جھاڑا۔ اسے اپنے امیر باپ کی جائیداد کا استعمال خوب کرنا آتا تھا۔

❀❀❀❀

آج بہت سال بیت گئے تھے۔ احراز پروفیسر احراز خان بن چکے تھے۔ وہ اپنے کام سے کبھی بھی مخلص نہ تھے۔ اپنے پیشے اپنے منصب ہر ایک پر دھبہ تھے۔ ان کے اسٹوڈنٹ ان کے پاس روز آ کر کے کہتے۔

''سر! پیریڈ خالی ہے آپ کلاس لے لیں!''

مگر وہ ٹال دیتے مگر وہ ٹال جاتے یہ سب بڑی سفارشوں کا کھیل تھا۔ وہ سب کے منہ بند کروانے کے لیے پیسہ لوٹا رہے تھے ورنہ بہت سی آوازیں ان کے خلاف بلند ہونا شروع ہو چکی تھیں۔

اسٹاف روم سے اٹھ کر باہر کالج کے گراؤنڈ میں آ گئے۔ ستون کے پیچھے ہونے کی وجہ سے اسٹوڈنٹ انہیں دیکھ نہ پائے تھے۔

انہوں نے سوچا بچوں کو کلاس میں بھیجا جائے مگر ان کی گفتگو نے ان کے قدم جکڑ لئے۔

''تم کیا بنو گے سرمد؟'' شام نے سوال کیا۔

''میں پروفیسر بنوں ہوگا'' سرمد نے جوش سے کہا۔

''ہاہاہاہا'' لڑکوں نے قہقہہ لگایا۔

''پروفیسر!!'' کسی نے طنزیہ کہا۔

''واقعی یار پروفیسروں کے بڑے ٹھاٹ بھاٹ ہوتے ہیں۔ جب چاہو آؤ جب چاہو جاؤ اور سارا دن اسٹاف روم میں بیٹھے سگریٹ پھونکو'' احمد نے تبصرہ کیا۔

''ہم بھی پروفیسر نہ بن جائیں'' رافع نے مذاق اڑایا۔ سرمد کی طرح یا سر احراز کی طرح علی

نے جھٹ آئیڈیا پیش کیا۔

''آپ لوگ اپنے فضول خیالات اپنے پاس رکھیں! میں پروفیسر بنوں گا اور سر احراز کے لگائے گئے دھبے کو دور کرنے کے لئے میں اس منصب کی قدر کروں گا۔

میں علم کے پیاسوں کے لئے آب کا کام دوں گا اور آج تم لوگ لوگ سر احراز پر مت ہنسو! ہوسکتا ہے کل ہم میں سے کوئی سر احراز کا کردار نبھا رہا ہو'' سرمد کے الفاظ اور اس کا پرعزم لہجہ سر احراز کے لیے تاسف لیے ہوئے تھے۔

دور کھڑے احراز خان کو اپنا آپ تیروں سے چھلنی میں محسوس ہوا ان کے طلباء کی گفتگو ان کے لیے باعث ندامت تھی۔ انہیں شرمندگی نے گھیر لیا تھا۔ انہیں ہدایت نصیب ہوئی اور آج وہ صحیح معنوں میں پروفیسر بنا اور اس نے چراغ سے چراغ روشن کرنے کی کی ٹھان لی۔

اب وہ اپنے طلباء کے ساتھ مل کر کر ایک ادارہ چلا رہے تھے جس میں غریب طلباء پر علم کا خزانہ لٹایا جا رہا تھا۔

❁❁❁❁

وہ کون تھے؟؟

شمارہ صفر ۱۴۴۴ھ ہجری کے انعام یافتہ

اخت عاقب شاہ شہید...... ضلع لیہ

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

زہرہ ارشد...... رحیم یار خان۔ جویریہ ناصر...... ڈسکہ۔ علیشہ شوکت...... پان پور۔

بریرہ امین الدین...... کراچی۔ داؤد السیف...... بہاولپور۔ علینہ فاروق...... لاہور

محمد ابوبکر...... بہاولپور۔ زیبا بنت علی...... کہروڑ پکا۔ محمد السیف...... بہاولپور

کمیل یوسف...... منڈی بہاؤ الدین۔ علی السیف...... بہاولپور۔

زجاجہ بنت طارق...... کراچی۔ نعمان علی...... اسلام آباد۔ شیخ وقاص احمد...... کامرہ۔

رفیع اللہ...... چارسدہ

وہ انصاری صحابی تھے۔ان کا شمار بیعت عَقَبہ ثانیہ کے بارہ نقیبوں میں ہوتا ہے۔جب آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ان کا گھر لوگوں سے ملاقات کے لیے منتخب فرمایا۔یہ گھر مسجد قباء کے قریب تھا اور اب مسجد نبوی کی جدید توسیع کے بعد ان کا گھر بھی مسجد کا حصہ بن گیا ہے۔ان کے حالات میں ان کے ایک چھوٹے بیٹے عبداللہ کا بھی ذکر ملتا ہے جو بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔

ہجرت کے بعد غزوہ بدر پیش آیا۔اس غزوہ میں ان انصاری صحابی کا ایک ایمان افروز اور دل چسپ واقعہ یہ ہے کہ ان کے والد محترم نے کہا کہ تم گھر میں رہو،غزوہ بدر کے لیے میں جاتا ہوں۔اس پہ انہوں نے انکار کیا اور اپنے والد سے کہا کہ چونکہ یہ جنت کا معاملہ ہے لہٰذا میں یہ ایثار نہیں کرسکتا،آپ گھر پہ رکیں اور گھر والوں کی خبر گیری کریں،میں جہاد پہ جاتا ہوں۔

ان کے والد نے کہا کہ یہی میرے خیالات ہیں،اب ہمارے درمیان قرعہ اندازی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔چنانچہ ان کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی اور قرعہ بیٹے کے نام نکلا۔اب وہ خوشی خوشی روانہ ہوئے اور غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور خوب بہادری سے لڑے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت سے سرفراز فرمایا۔ان کی شہادت کے بعد غزوہ احد میں ان کے والد محترم بھی شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔

ان صحابی رسول ﷺ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ ﷺ ان کے کنویں غرس کا پانی نوش فرمایا کرتے تھے اور جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کو اسی کنویں کے پانی سے غسل دیا گیا۔

❁❁❁❁

شمارہ صفر المظفر کا درست جواب:
حضرت صفیہ بنت عبد المطلب

دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نُبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

اس دنیا میں سب سے انوکھا کیا ہے؟

☆ ...... یہ لفظ انوکھا ہی دنیا میں سب سے انوکھا ہے۔

بنت شاہد، منڈی بہاوالدین

❁❁❁❁

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

سنا ہے دیواروں کے کان ہوتے ہیں مگر نظر کیوں نہیں آتے؟

☆ ...... سانپ کے کان نظر نہ آنے پر تو آپ نے اعتراض نہیں کیا دیوار کے بھی اسی طرح مان لیں۔

ولیجہ شاہد! بہاولنگر

❁❁❁❁

محترم بوجھ بجھکڑ!

میری لکھائی بہت خراب ہے۔ ایسا کیا کروں کہ میری لکھائی خوبصورت ہو جائے؟

☆ ...... معذرت ہمارا بیوٹی پارلر نہیں ہے۔

کریم اللہ، باجوڑ

❁❁❁❁

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

دن میں میرا پڑھنے کو بالکل دل نہیں کرتا۔ صرف رات کو پڑھنے کا من چاہتا ہے کوئی حل بتائیں؟

☆ ...... دن کو اندھیرا کر کے من کو دھوکہ دے لیا کریں۔

قاضی واجد، ملتان

❁❁❁❁

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

ہمارے گھر میں چوہے ہی چوہے ہیں۔ان کو نکالنے کا کوئی زبردست طریقہ بتائیں ہم نے تو ہر طریقہ آزما کر دیکھ لیا مگر چوہے ٹس سے مس نہ ہوئے بلکہ اور زیادہ ہو گئے ہیں۔

☆......گھر میں بلیاں ہی بلیاں لے آئیں، یا دو تین نیولے پال لیں۔

ہمشیرہ قاری محمد عابد، کراچی

❀❀❀❀

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

ہم کہانیوں میں پڑھتے ہیں نیلی پریاں، کالے جن، بڑے دیو اور چڑیلیں۔کیا واقعی ان کا کوئی وجود ہے؟

☆......ایسی کہانیاں پڑھتے ہی کیوں ہیں جن میں مشکوک باتیں لکھی ہوتی ہیں؟

ہمشیرہ محمد احمد، پنوعاقل

❀❀❀❀

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

امتحان کی تیاری کے دوران نیند کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ بس جمائی پر جمائی پر آ رہی ہوتی ہے۔ کوئی طریقہ بتائیں نا کہ ہماری جان چھوٹے۔

☆......امتحان سے یا جمائی پر جمائی سے؟

(ہمشیرہ محمد اسد، راولپنڈی)

❀❀❀❀

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

اگر پانچوں انگلیاں برابر ہوتی تو کیا ہوتا؟

☆ اردو والے کوئی اور محاورہ ڈھونڈتے

(انیسہ کلثوم، بہاولنگر)

❀❀❀❀

بڑا انسان

تم بڑا انسان بننا چاہتے ہو! اور ساتھ یہ بھی چاہتے ہو کہ تمہیں کبھی تکلیف نہ اٹھانی پڑے، تمہیں درد نہ سہنا پڑے، تمہیں مشقت نہ کرنی پڑے، تمہیں باتیں نہ سننی پڑیں، تمہیں جلنا نہ پڑے، تمہیں تھکنا نہ پڑے، تمہیں نیند خراب نہ کرنی پڑے۔درد تو سہنا پڑے گا، طعنے سننے پڑیں گے، لوگوں کا ہنسنا برداشت کرنا پڑے گا، بڑے بڑے مگرمچھوں سے لڑنا پڑے گا۔پانی میں تیرنے کے لیے کنارے پر کھڑے رہنے سے کام نہیں بنے گا۔پانی میں اترنا پڑے گا، غوطے کھانے پڑینگے، دن رات ایک ہی کام کو بار بار کرنا پڑے گا، بازو تھکیں گے، جسم درد کریگا، حوصلے ٹوٹیں گے۔یہی تو وہ وقت ہوگا جب رکنا نہیں، تھمنا نہیں، حوصلہ نہیں ہارنا، ہمت نہیں ٹوٹنے دینی۔

آخرکار، کامیابی تمہارا مقدر ہوگی۔ان شاء اللہ

عروہ بن زبیر

السلام علیکم!

امید ہے کہ مدیر محترم اور مسلمان بچے کی پوری انتظامیہ خیر و عافیت سے ہوگی اور مجاہدین اسلام مشکل کی گھڑیوں میں دفاعِ امت کی سرگرمیوں میں ہمہ تن مشغول ہونگے اللہ تبارک وتعالیٰ سب کی نیک خدمات کو اپنی بارگاہِ عالیہ قبولیت سے سرفراز فرمائے اور ہر قسم کے شر و فتن اور رکاوٹوں سے پناہ نصیب فرمائے آمین۔

لوگ جو نامساعد حالات کے اندر سینہ سپر ہو کر ڈٹے رہتے ہیں۔

اس وقت میرے سامنے صفر کا شمارہ کھلا پڑا ہے ابھی سرورق کی رنگ رلیوں اور بھول بھلیوں میں مگن تھا کہ نگاہ ایک سطر پر ٹھہر گئی۔

سو سب سے پہلے ”مدیر کے قلم سے خصوصی تحریر شمارے کو کھول کر پڑھی، ماشاءاللہ بہت ہی نرالا انداز ہے، تحریر کے انداز سے خاصے شوخ

معلوم ہوتے ہیں (بالمشافہ ملاقات ہوگئی تو تفصیلی حال پھر لکھیں گے ان شاءاللہ)

بعدازاں یکے بعد دیگرے تمام تحریریں پڑھ ڈالیں، سبھی ماشاءاللہ خوب لکھ رہے ہیں مزید خوب لکھنے کے لئے دعاگو ہیں۔

ہمیں خوشی ہے کہ رسالہ ”مسلمان بچے“، تمام تر برے حالات کے باوجود پوری آب و تاب کے ساتھ روزِ اول ہی کی طرح جگمگاتا ہوا سامنے آتا ہے، گردشِ ایام کی بہت سی ساعتیں گذر چکیں اور بہت سی گذر جانے والی ہیں، خوش قسمت ہیں وہ

اللہ تعالیٰ سب کی تحریروں کو شرف قبولیت نصیب فرمائیں، مستقل لکھاریوں کے علاوہ عطاء السلام سحر، حناء فاطمہ، اور ادیبہ نور کی تحریریں بھی بہت خوب تھیں۔

علاوہ ازیں مدیر محترم سے عرض ہے کہ شمارے کی جسامت کو گھٹانے کے بجائے پڑھانا چاہیے تھا یہ آپ لوگوں نے کیا کر دیا؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس فیصلے پر نظر ثانی کر کے شمارے کی قیمت معمولی بڑھا دی جائے تو قارئین بُرا نہیں منائیں گے۔

بہر حال! میں قارئین کے نمائندے کی حیثیت سے اس فیصلے کی بھرپور مخالفت کرتا ہوں چاہے مدیر محترم اسے برا ہی کیوں نہ سمجھیں۔

والسلام! محمد شعیب، کہروڑ پکا

❁❁❁❁

السلام علیکم محترم مدیر صاحب!

امید ہے آپ ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ ستمبر کا شمارہ میرے سامنے ہے۔ ہمیں رسالہ بہت تاخیر سے دستیاب ہوتا ہے لیکن اس بار الحمدللہ بہت جلدی میسر آ گیا ہے اس لئے تبصرہ حاضر ہے۔

سرورق بہت ہی خوبصورت لگا۔ اس کے علاوہ سب سے اچھی کہانی ایمرجنسی کانفرنس لگی۔ کیا ہی زبردست اور اچھی تحریر ہے اور کس قدر پیارے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

حنا فاطمہ صاحبہ اس پر مبارکباد قبول کریں۔ اس کے علاوہ تمام تحریریں ہی شاندار تھیں۔

پرانے لکھاریوں میں زبیر طیب صاحب بالکل غائب ہیں۔ ان سے گزارش ہے کہ جلد از جلد اپنی رونمائی کروائیں۔ تاکہ ہمارا رسالہ اور شاندار ہو جائے۔

محمد فیصل علی ہر بار کچھ نیا لے کر آتے ہیں۔ بڑھیا اور اللہ کی چنگاری بہت اچھی لوک داستان ہے۔ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔

مدیر صاحب کی خصوصی تحریر نے بہت محظوظ کیا۔ مطالعہ سے کس قدر شاندار چیزیں مل جاتی ہیں اس کا اندازہ اس تحریر کو پڑھ کر ہوا۔ ارادہ کیا ہے کہ اب کچھ کیوں نہ ہو جائے مطالعہ کا شوق جاری رکھنا ہے۔ رسالہ میں عطاء السلام سحر ایک نیا اور اچھا اضافہ ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

خط ضرور شائع کیجئے گا۔ میں نے پہلی بار خط لکھنے کی جسارت کی ہے اور کچھ آرٹ بھی بھیجی ہیں اگر معیار کے مطابق ہوں تو شائع کر دیجئے گا۔

مدیر صاحب اور تمام اہل قلم کو سلام اور دعاؤں کی درخواست!

والسلام

دانیال احمد، بھیرہ شریف

❁❁❁❁

السلام علیکم!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ سمیت پوری ٹیم کو اپنی شایان شان

اجر عظیم سے نوازے۔

صفر المظفر کا شمارہ بہت زبردست لگا۔ اس بار تمام کہانیوں کے رائٹر تقریباً نئے تھے۔ یہ پہلا رسالہ ہماری نظر سے گزرا ہے جو نئے لکھاریوں کو اس قدر موقع دیتا ہے۔ ہم اس پر ادارے کے شکر گزار ہیں۔

نئے لکھاریوں کی حوصلہ افزائی کے اس لئے دل و جان سے ہم اس رسالے سے محبت کرتے ہیں۔ باقی دوسرے رسائل تو بالکل موقع نہیں دیتے اور سالہا سال انتظار الگ کرواتے ہیں۔

شکریہ مسلمان بچے

ٹیپو سلطان اور جانباز مجھے بہت پسند ہے۔ جانباز تو ختم ہو چکی مگر ٹیپو سلطان بہت خوبصورت انداز میں لکھی گئی کہانی ہے جو ہمیں کچھ ہمارے ماضی کے متعلق بتاتی ہے۔ مدیر صاحب کی خصوصی تحریر تو رسالے کو چار چاند لگا گئی ہے۔ بہت اچھی اور زبردست تحریر!

میں نے ایک کہانی بھیجی ہے امید ہے آپ ضرور موقع دیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے آرٹس بھی بھیجی ہیں جو میری چھوٹی بہن کی طرف سے ہیں۔ انہیں بھی ضرور شائع کیجئے گا۔

اب اجازت چاہتی ہوں۔ اگر کوئی غلطی ہوئی تو معافی چاہتی ہوں۔

والسلام

بنت شہزاد اقبال، ٹوبہ ٹیک سنگھ

السلام علیکم محترم مدیر صاحب!

امید ہے آپ ٹھیک ہوں گے اور سلامتی کے ساتھ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

میں رسالے کی پرانی قاریہ ہوں۔ تقریباً سات سال سے مسلسل مسلمان بچے پڑھ رہی ہوں۔ اس قدر شاندار رسالہ میں نے نہیں دیکھا۔

تمام لکھنے والے بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ مجھے بھی لکھنے کا بہت شوق ہے لیکن کوشش کے باوجود لکھ نہیں پا رہی ہوں۔

میرے سب سے پسندیدہ رائٹر میں محمد فیصل علی، روبینہ عبدالقدیر، انعم توصیف اور مدیحہ صدیقی ہیں۔ محمد شعیب بھائی اچھا لکھتے ہیں لیکن اس قدر مشکل الفاظ کہ اکثر سر کے اوپر سے ہی گزر جاتے ہیں۔ بوجھ بجھکڑ صاحب کے تو کیا ہی کہنے۔

بہر حال رسالہ سارے کا سارا ہی بہت اچھا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

آمین

والسلام

بنت نور الٰہی، فیصل آباد

انعام

ملائکہ سوئم جماعت کی طالبہ تھی۔ وہ بہت ذہین تھی۔ ایک دن سکول میں بریک کے دوران وہ اپنا لنچ باکس لے کر باغ میں جا بیٹھی۔

کھانا کھاتے ہوئے اس کی نظر اپنے سے کچھ دور پڑے بٹوے پر پڑی۔

اس نے آس پاس دیکھا تو کوئی بھی اس طرف متوجہ نہیں تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اس نے وہ بٹوہ اٹھالیا۔

وہ ہیڈ مسٹریس کے آفس گئی تو آنٹی نے اسے کچھ دیر باہر انتظار کرنے کے لیے کہا کیونکہ میڈم میٹنگ میں مصروف تھیں۔

میٹنگ سے فارغ ہو کر میڈم نے اسے اپنے پاس بلایا۔ اس نے میڈم کو وہ بٹوہ دے دیا اور بتایا کہ یہ اسے باغ میں ملا تھا۔

میڈم نے اس سے لے کر اپنے پاس رکھ لیا اور اس کی احسان مند ہوئیں۔

اگلے دن جب ملائکہ سکول گئی تو میڈم کلاس میں اس سے ملنے آئیں۔

انھوں نے سب کو اس کی کل کی کارکردگی کے بارے میں بتایا۔
کلاس ٹیچر اور باقی سب طالبات نے تالیاں بجا کر اسے خراجِ تحسین پیش کیا۔میڈم نے بتایا کہ وہ بٹوہ مالی بابا کا تھا۔
باغ میں پودوں کو پانی دیتے ہوئے ان کی جیب سے گرگیا تھا۔بٹوہ مل جانے پر وہ میڈم اور ملائکہ کے بے حد مشکور تھے۔
میڈم نے ملائکہ کو پانچ سو روپے انعام میں دیے۔جسے لینے سے اس نے پہلے تو انکار کیا لیکن پھر ٹیچر کے اشارہ کرنے پر لے لیا۔
بریک میں میڈم نے اسے اپنے آفس بلایا۔
وہ گئی تو مالی بابا کو اپنا منتظر پایا۔
مالی بابا نے اسے پیار کرنے کے بعد اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے سو روپے انعام میں دیے۔
گھر آ کر ملائکہ نے وہ سارے پیسے مما کو دیے اور انہیں ساری حقیقت سے آگاہ کیا۔
مما اس کی ایمانداری پر بہت خوش ہوئیں اور رات کے کھانے میں اس کے پسندیدہ سینڈوچ بنائے۔
پاپا آفس سے آئے تو مما نے پاپا کو بھی اس بارے میں بتایا۔
پاپا نے خوش ہو کر مسکراتے ہوئے اسے پیار کیا اور کھانا کھانے کے بعد اسے آئسکریم کھلانے کا وعدہ کیا۔
آج ملائکہ بہت خوش تھی کیونکہ اب وہ پاپا کے ساتھ اپنی من پسند آئسکریم کھانے جارہی تھی۔
پیارے بچو!
دیکھا آپ نے کہ ملائکہ کو اس کی ایمانداری پر کتنے سارے انعام ملے۔
اللہ تعالیٰ اسی طرح ایماندار لوگوں سے خوش ہوتا ہے اور انہیں انعامات سے نوازتا ہے۔
ہمیں بھی چاہیے کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ایمانداری سے کام لیں اور اسے اپنی عادت بنائیں۔

بنت حوا (ایس)

❀ ❀ ❀ ❀

نیلی کی گڑیا

نیلی کو جب سے اس کے چچا امجد نے تحفتاً گڑیا دی تھی جو وہ خاص طور پر انگلینڈ سے اس کے لیے لائے تھے۔
نیلی گڑیا کو دیکھ کر بہت خوش تھی۔وہ روز اس کے ساتھ کھیلتی۔اس کے ساتھ باتیں کرتی رہتی۔لیکن آجکل اس نے گڑیا سے کھیلنا بند کیا ہوا تھا یا پھر کھیلتی تو کمرے میں ہی کھیلتی کیونکہ ان کے ہمسائیوں کی لڑکی جسکا نام لائبہ تھا اس نے جب سے نیلی کی گڑیا دیکھی تھی وہ بھی ساتھ آ کر کھیلنے لگتی لیکن نیلی کو یہ بات بالکل اچھی نہ لگتی کہ یہ میری گڑیا کے ساتھ آ کر کیوں کھیلتی ہے۔
”اتنی اچھی لگتی ہے تو اپنی خرید لے“

لیکن وہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کا باپ دو وقت کی روٹی بڑی مشکلوں سے پوری کرتا تھا۔تو وہ اسے اتنی مہنگی گڑیا کیسے خرید کر دیتا۔

لائبہ کا بھی دل چاہتا تھا کہ اس کے پاس بھی ایسی ہی گڑیا ہو وہ بارہا اپنی امی کو کہہ بھی چکی تھی لیکن امی ہر بار بات ٹال دیتیں۔

اب وہ اسے کیسے سمجھاتیں کہ ہمارے حالات ایسے نہیں۔اس لیے وہ ہمیشہ بات ٹال کر ہی چھٹکارا پاتیں۔

لیکن آج لائبہ اس کے کمرے میں آئی تو اس نے اسے دیکھتے ہی اپنی گڑیا الماری میں چھپادی اور جب اس نے کہا کہ آؤ ہم دونوں گڑیا کے ساتھ کھیلیں تو وہ ناک چڑھا کر بولی۔

''نہیں میری گڑیا کے کپڑے بار بار ہاتھ لگانے سے گندے ہوجاتے ہیں۔

اگر اتنی اچھی لگتی ہےتو اپنی خریدلو!''

لائبہ کا نیلی کی بات سن کر بہت دل برا ہوا۔ وہ منہ بسورے گھر آئی اور سوچ سوچ کر رو دی۔

لائبہ تو منہ بسورے گھر چلی گئی تھی اسے کیا پتہ تھا کہ اسے جاتے ہوئے دادی جان اور تو اور نیلی کی امی نے بھی دیکھا تھا۔

نیلی کی امی نے لائبہ سے تو کچھ نہیں پوچھا البتہ امی نے فوراً نیلی سے پوچھا۔

''اسے کیا ہوا''

لیکن نیلی کچھ نہ بولی تو دادی نے بھی تیز لہجے میں پوچھا کہ ''تم نے کیا کہا ہے جو وہ منہ بسورے چلی گئی۔

''اف! دادای جان جب دیکھو میری گڑیا کے ساتھ کھیلنے چلی آتی ہے مجھے نہیں پسند کہ وہ میری گڑیا کے ساتھ کھیلے۔

اگر اتنی اچھی لگتی ہےتو اپنی خرید لے۔میری گڑیا کے کپڑے گندے ہوجاتے ہیں''

دادی جان اور نیلی کی امی اس کے دوٹوک انداز پر حیرت سے دیکھتی رہ گئیں۔

''ایسے نہیں کہتے نیلی! غلط بات ہوتی ہے۔ اللہ ناراض ہوتا ہے۔کسی کا دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا۔ان کے حالات ہماری طرح نہیں ہیں۔

اللہ اگر سب کے حالات ٹھیک کرتا تو پھر تو قیامت کبھی نہ آتی۔

پتہ ہے حقوق دوطرح کے ہوتے ہیں ''حقوق اللہ'' اور ''حقوق العباد''۔حقوق اللہ میں اللہ کے حقوق ہوتے ہیں اور حقوق العباد میں بندوں کے حقوق شامل ہیں۔

حدیثِ نبوی ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔میں اپنے حقوق معاف کرسکتا ہوں لیکن بندے کے حقوق نہیں جب تک کہ وہ بندہ خود معاف نہ کرے۔

ان حقوق میں ہمسایوں کے حقوق سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

آپ ﷺ تو خود ہمسایوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور آپ ﷺ کی زندگی ہی تو ہمارے لیے کامل نمونہ ہے۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ اگر ہمارا ایک ہمسایہ غریب ہے تو دوسرا ہمسایہ جسکے گھر کے حالات اچھے ہیں تو وہ اس کی مدد کرے۔

پتہ ہے اس شخص کی بھی معافی نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا سوئے۔

یہ بات آپ نے بہت غلط کی ہے کہ لائبہ کے ہاتھ لگانے سے آپ کی گڑیا گندی ہو جاتی ہے۔ مجھے آپ سے ایسی بات کی بالکل بھی امید نہیں تھی۔

کیا تھا آپ اسے بھی گڑیا کیساتھ کھیلنے دیتیں۔ مل بانٹ کر رہنا ہی تو ہمارے نبی ﷺ کی سنت ہے۔

میرے بچے انسان کو ناراض کرنے میں ہی اللہ کی ناراضگی ہے اور دیکھو تم نے ایک بے جان سی چیز کے لیے دو بندوں کو ناراض کر دیا۔

خدانخواستہ اگر آپ اس کی جگہ ہوتی تو آپ کو کیسا لگتا۔

جب کوئی لائبہ کہتی کہ میری گڑیا کے کپڑے بار بار ہاتھ لگانے سے گندے ہو جاتے ہیں" دادی جان بڑے پیار سے اسے سمجھاتے ہوئے آخر میں سوال کر گئیں۔

اس بات پر تونیلی شرمندہ سی ہو گئی۔

"بتاؤ برا لگتا ناں؟"

وہ اسکے خاموش رہنے پر خود ہی دوبارہ پوچھ گئیں۔

وہ سوچ میں پڑ گئی تو اسے اپنا سارا وجود ملامت کرتا نظر آیا اور وہ سر جھکائے معذرت کر گئی تو دادی جان نے کہا۔

"مجھ سے نہیں، جاؤ! لائبہ سے معافی مانگو!"

تو وہ سر جھکائے اثبات میں سر ہلا گئی اور لائبہ کے گھر کی طرف چل دی۔

کیونکہ وہ سچ میں نادم تھی اور اس نے دل سے توبہ کی تھی کہ دوبارہ کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گی۔ ہمیشہ اپنے سے زیادہ اپنے ہمسایوں کا خیال رکھے گی۔

دوسری طرف دادی جان اور اس کی امی نے سکون کا سانس لیا تھا کہ انہوں نے اپنی اولاد کو بچپن میں ہی ایسی غلطی سے روک لیا تھا جو بعد میں گناہ کبیرہ بن جاتا۔

نمرہ خان

❀❀❀❀